بس اِک داغِ ندامت

از

عمیرہ احمد

بس اک داغِ ندامت

گیٹ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہوگئی۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ پہلے وہ جب گھر آتی تھی تو اس کے بھتیجے بھتیجیوں کا ہنگامہ باہر تک آ رہا ہوتا تھا۔ لان عبور کر کے وہ اندرونی دروازے تک پہنچ گئی اور پھر اس میں اتنی ہمت اور حوصلہ باقی نہیں رہا کہ وہ بیل بجاتی اور گھر والوں کو اپنی آمد کی اطلاع دیتی' کوئی بھی لڑکی اس کی جگہ ہوتی تو اتنی ہی بے حوصلہ ہوتی۔ وہ برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئی۔ آنسو اس کے گالوں کو بھگوتے ہوئے دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے۔ اور وہ جیسے ان سے بالکل بے خبر تھی۔ پھر عذرا بھابھی نے اچانک اسے اندر والی کھڑکی سے دیکھ لیا تھا۔ غم وغصہ میں ڈوبی ہوئی وہ کچن میں گئی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' میمونہ بھابھی نے انہیں اس سراسیمگی کے عالم میں آتے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''موبل واپس آ گئی ہے۔''

''کیا؟'' میمونہ بھابھی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ''کہاں ہے وہ؟''

''وہاں برآمدے میں بیٹھی ہے۔ میں نے اسے کھڑکی سے دیکھا تھا۔ تم یہ بتاؤ' فاروق کیا کر رہا ہے؟''

''وہ تو سو رہے ہیں۔''

''بس ٹھیک ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ۔'' عذرا بھابھی میمونہ کو ساتھ لے کر باہر آ گئیں۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا اور بے ساختہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔

''کیا لینے آئی ہو یہاں؟'' عذرا بھابھی کا سوال اس کی سماعت سے بم کی طرح ٹکرایا تھا۔

''بھابھی!'' وہ صرف یہی کہہ سکی۔

''یہاں سے چلی جاؤ جہاں تین دن گزارے ہیں وہاں باقی زندگی بھی گزار سکتی ہو۔'' عذرا بھابھی نے دبی آواز لیکن تلخ لہجے میں اس سے کہا۔

''بھابھی! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے تو اغوا کر لیا گیا تھا۔ آپ......''

عذرا بھابھی نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ ڈرامہ کسی اور کے سامنے کرنا۔ ہمارے لیے تم اور تمہارے لیے ہم مر گئے ہیں۔ تم اپنے بھائیوں کو اچھی طرح جانتی ہو اگر انہیں تمہارے آنے کا پتا چل گیا تو وہ تمہیں جان سے مار دیں گے۔ اس لیے بہتر ہے تم اپنی جان بچاؤ اور یہاں

سے دفع ہو جاؤ۔'' عذرا بھابھی نے بہت زہریلے لہجے میں کہا تھا۔

''بھابھی پلیز' مجھ پر رحم کریں۔ میری کوئی غلطی نہیں۔ میں کہاں جاؤں گی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عذرا بھابھی پر اس کے آنسوؤں کا الٹا اثر ہوا۔

''یہ اس وقت سوچنا تھا جب گھر سے بھاگی تھی۔ تمہیں اپنے بھائیوں کو تماشا بناتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ لوگ ان سے کیسے کیسے سوال کریں گے۔ تم نے ہم پر رحم نہیں کیا ہم تم پر رحم کیوں کریں۔ ہم نے بھی اپنی بیٹیاں بیاہنی ہیں اور تمہیں گھر میں رکھ کر ہم ان کی زندگی برباد کرنا نہیں چاہتے۔ ہمیں معاف کرو اور یہاں سے چلی جاؤ۔ ہم پر رحم کرو۔ تمہارے بھائی تمہیں قتل کر دیں گے اور خود پھانسی چڑھ جائیں گے۔ تم کیوں ہمارا گھر برباد کرنا چاہتی ہو۔ یہاں سے جاؤ۔''

بھابھی بات کرتے کرتے اسے بازو سے پکڑے ہوئے گیٹ تک لے آئیں اور پھر گیٹ کھول کر ایک جھٹکے سے اسے باہر دھکیل دیا۔ گیٹ بند کرتے وقت انہوں نے کہا۔

''دوبارہ یہاں مت آنا۔'' وہ سکتے کے عالم میں بند گیٹ کو دیکھتی رہی۔ یہ سب کچھ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اسے گھر والوں کی نفرت اور غصے کا سامنا کرنا پڑے گا مگر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اسے گھر سے نکال دیں گے۔ شاید اس لیے کیونکہ وہ اپنے آپ کو بے قصور سمجھ رہی تھی۔ لیکن اسے بے قصور نہیں سمجھا گیا۔ وہ نہیں جانتی تھی' وہ اب کہاں جائے گی پھر اس نے باری باری اپنے سارے رشتہ داروں اور دوستوں کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کیے اور جیسے کوئی پینڈورا باکس کھل گیا تھا۔

ایک ہی دن میں اس نے بہت کچھ سیکھ لیا جو چیزیں گزرے ہوئے بیس سال اسے نہیں سکھا سکے تھے۔ وہ اس ایک دن نے اسے سکھا دی تھیں۔ وہ رشتہ داروں کے رویے سے دلبرداشتہ نہیں ہوئی اگر سگی بھابھیاں اسے اپنے گھر میں نہیں رکھ سکی تھیں تو کوئی چچا یا پھوپھی کیسے رکھ لیتے لیکن دوستوں کے رویئے نے اسے حقیقتاً رلایا تھا۔ شاید اس کے بھائی اس کی تلاش میں اس کی سب دوستوں کے گھر جا چکے تھے۔ اس لیے وہ جہاں گئی وہاں پہلے سے ہی اس کے بارے میں بہت سی داستانیں موجود تھیں۔ باری باری وہ اپنی چاروں دوستوں کے گھر گئی۔ فاریہ کی امی نے دروازے پر ہی اس سے کہہ دیا کہ فاریہ گھر پر نہیں ہے اور پھر دروازہ بند کر لیا۔

سائرہ کی امی نے بڑی درشتی سے اس سے پوچھا۔

''سائرہ سے کیا کام ہے؟'' وہ کہنے کی ہمت نہیں کر پائی اور وہاں سے پلٹ آئی۔ باقی دونوں دوستوں کے گھر بھی اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوا تھا۔ وہ دوست جو تین دن پہلے تک اسے کھینچ کھینچ کر اپنے گھر لے جاتی تھیں۔ اب اسے پانی تک پلانے پر تیار نہیں تھیں۔ مومل میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ان سے مدد مانگتی' اس نے ان کی شہہ پر اپنی زندگی برباد کر لی تھی اور وہ اسے پہچاننے کو تیار نہیں تھیں۔ اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ ایک سڑک کے کنارے لگے ہوئے سرکاری نلکے سے اس نے پانی پیا اور دوبارہ بے مقصد سڑکوں پر چلنے لگی۔ اس کی دوست اس کا واحد سہارا اور آخری امید تھیں اب اور کوئی نہیں تھا جس کے پاس وہ مدد کے لیے جا سکتی۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں سڑک پر چل رہی تھی جب اس نے اچانک

کسی کے منہ سے اپنا نام سنا تھا۔

''مومل! مومل۔'' اسے اپنا نام بے حد اجنبی لگا تھا۔ پھر اچانک کسی نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

''کہاں گم ہو تم؟ آواز ہی نہیں سنتیں۔ میں کب سے تمہیں آوازیں دے رہی ہوں۔''

اس بار اس نے آواز اور چہرہ پہچان لیا' وہ فاطمہ تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی تھی جو بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مومل سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ فاطمہ اس کا چہرہ دیکھتے ہی کچھ چونک گئی تھی۔

''کیا ہوا مومل! تم ٹھیک تو ہو؟'' اس نے تشویش سے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کہا تھا۔

''کیا ہوا ہے مومل! تم اس طرح مجھے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' اس بار فاطمہ نے ہلکے سے اس کا کندھا جھنجھوڑا تھا۔ مومل کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔''

''انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا۔'' وہ یہ کہہ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

فاطمہ اور اس کی ساتھی لڑکی اسے روتے دیکھ کر گھبرا گئیں۔ وہ مین روڈ پر کھڑی تھیں اور لوگ آتے جاتے ہوئے انہیں گھور رہے تھے۔

''فاطمہ! میں گاڑی لاتی ہوں۔ ہم مومل کو ہاسٹل لے جاتے ہیں پھر وہیں سب کچھ پوچھنا۔''

ربیعہ یہ کہہ کر تیزی سے کار پارکنگ کی طرف گاڑی نکالنے چلی گئی۔ فاطمہ اسے چپ کروانے میں لگ گئی لیکن وہ چپ ہونے کے بجائے اور زیادہ رونے لگی تھی۔ اس کے اس طرح رونے پر فاطمہ کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ چند منٹوں بعد ربیعہ کار لے آئی اور فاطما اسے کار میں بٹھا کر ہاسٹل لے آئی تھی۔ ہاسٹل کے کمرے میں پہنچنے کے بعد بھی وہ اسی طرح ہچکیوں اور سسکیوں سے روتی رہی مگر اس بار فاطمہ نے اسے چپ کروانے کی کوشش نہیں کی۔ ربیعہ اور فاطمہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ پھر ربیعہ نے دراز سے ایک ٹیبلٹ نکال کر پانی کے گلاس کے ساتھ فاطمہ کو تھما دی۔

''اسے یہ ٹیبلٹ کھلا دو اگر یہ اسی طرح روتی رہی تو مجھے ڈر ہے کہیں اس کا نروس بریک ڈاؤن نہ ہو جائے۔ تم اسے چپ کرواؤ۔ میں تمہارے لیے چائے اور اسنیکس بھجواتی ہوں۔''

ربیعہ ہلکی آواز میں کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ فاطمہ نے بڑی نرمی سے ایک بازو اس کے کندھے کے گرد حمائل کر لیا اور پیار سے اسے تھپکنے لگی۔

''میری طرف دیکھو مومی! دیکھو چپ ہو جاؤ۔ مجھے بتاؤ۔ تمہیں کیا پریشانی ہے۔ پرسوں تمہاری بھابھی نے ہاسٹل فون کیا۔ انہوں نے بتایا کہ تم یونیورسٹی سے گھر نہیں پہنچیں اور تمہاری یونیورسٹی کی فرینڈز نے بتایا ہے کہ تم اس دن یونیورسٹی گئی ہی نہیں۔ وہ مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ کہیں تم میرے پاس تو نہیں آئیں۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ تم یہاں نہیں آئیں اور دو دن میں انہیں فون کر کے پوچھتی رہی کہ تمہارا کچھ پتا چلا کل میں تمہارے گھر بھی گئی مگر تمہارے گھر والوں کو تمہارا کچھ پتا نہیں تھا۔ اور آج تم مجھے سڑک پر مل گئی ہو اور تم کہہ رہی ہو کہ انہوں نے تمہیں گھر سے نکال

دیا۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ تم اتنے دن کہاں غائب رہی تھیں؟" فاطمہ اس سے پوچھ رہی تھی اور وہ آنسو بہاتی رہی۔

"مومل! اپنی پریشانی مجھے بتاؤ۔ ہوسکتا ہے میں تمہاری مدد کرسکوں۔" وہ بڑے نرم لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

"فاطمہ! اگر میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا تو کیا تم مجھے یہاں سے نکال دوگی؟"

اس نے روتے روتے فاطمہ سے پوچھا تھا۔ فاطمہ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ "نہیں مومل! میں بھلا ایسا کیوں کروں گی۔ میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی، چاہے تم سے کوئی غلطی کیوں نہ ہوئی ہو۔"

فاطمہ نے جیسے اس کی ڈھارس بندھائی تھی۔ وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ ہونٹ بھینچے ہوئے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

فاطمہ سے اس کی دوستی بڑے عجیب انداز میں ہوئی تھی۔ فاطمہ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی۔ پہلی دفعہ ان کی ملاقات مومل کے کالج میں ہوئی تھی جہاں انہوں نے بلڈ کیمپ لگایا تھا۔ مومل اپنا بلڈ گروپ چیک کروانے گئی تھی مگر وہاں فاطمہ کے اصرار پر اس نے اپنا بلڈ ڈونیٹ کیا۔ دونوں کے درمیان دوستی کا آغاز ہوگیا تھا۔ فاطمہ کی ساری فیملی سعودی عرب میں تھی اور وہ اکیلی پاکستان میں تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ پھر دونوں اکثر ملنے لگیں۔ مومل ہر ویک اینڈ پر فاطمہ کو اپنے گھر بلا لیتی اور اکثر خود بھی اس کے ہاسٹل جایا کرتی۔ جلد ہی دونوں کی دوستی اتنی مضبوط ہوگئی تھی کہ باہر سے آنے والی چیزوں میں سے آدھی چیزیں فاطمہ اسے تھما دیا کرتی تھی۔ مومل کے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کے بعد ملاقاتوں میں کچھ کمی آگئی تھی مگر فاطمہ کے التفات میں نہیں، وہ اب بھی پہلے ہی کی طرح اسے فون کیا کرتی تھی لیکن اب وہ پہلے کی طرح ہر ویک اینڈ پر اس کے گھر نہیں آتی تھی کیونکہ وہ میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھی اور اتنا فالتو ٹائم اس کے پاس نہیں ہوتا تھا۔

مومل کو پہلے فاطمہ کے پاس جانے کا خیال نہیں آیا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ بھی دوسری دوستوں کی طرح اسے دھتکار دے گی۔ مگر اب اسے فاطمہ کے پاس ہی پناہ ملی تھی۔

مومل دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ وہ اس وقت دس سال کی تھی جب اس کے والدین کا ایک حادثے میں انتقال ہوگیا تھا اور اسے دونوں بڑے بھائیوں نے پالا تھا۔ انہوں نے اسے بالکل پھولوں کی طرح رکھا تھا۔ بھابیوں کو نند سے شوہروں کا یہ التفات کھٹکتا تھا لیکن وہ زہر کے گھونٹ پینے پر مجبور تھیں۔ شوہروں کو خوش کرنے کے لیے وہ ظاہری طور پر اس پر صدقے واری جاتی تھیں۔ کیونکہ اس کے طفیل ان کی بہت سی فرمائشیں ان کے شوہر پوری کر دیتے تھے۔ مومل اگر سمجھدار ہوتی تو بھابیوں کے بناوٹی رویے کو سمجھ جاتی لیکن اس میں اگر یہ خوبی ہوتی تو شاید وہ اس حال تک کبھی نہ پہنچتی۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے اشاروں پر چلا کرتی تھی۔ کسی نے اس کی تھوڑی سی تعریف کی اور کسی کام پر اکسایا اور اس نے بلا سوچے سمجھے وہ کام کر دیا۔ اس بات کا اندازہ لگائے بغیر کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور اس پر کیا اثر ہوگا۔ وہ ہمیشہ وہی کرتی تھی جو اس کی دوستیں کہا کرتی تھیں۔

بعض دفعہ اسے اس بات کا فائدہ ہوتا مگر زیادہ تر اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کی دوستوں کو سائنس سبجیکٹس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس نے شاندار نمبروں کے باوجود سائنس پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس کی دوستوں کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی، وہ کسی کو بتائے بغیر وہ چیز اپنی فرینڈز کو پہنچا دیتی۔ اس کی دوستوں نے ہمیشہ اس کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلائی۔ سائرہ کو سکول سے باہر کوئی لڑکا تنگ کرتا تھا۔

''مومل یار! تم تو بہت بہادر ہو۔ یار! کسی طرح میرا پیچھا اس لڑکے سے چھڑاؤ۔''

سائرہ کا اتنا کہنا ہی کافی تھا۔ اگلے دن وہ چھٹی ہوتے ہی سائرہ کے بتانے پر سیدھی اسی لڑکے کے پاس پہنچ گئی اور جاتے ہی اسے دھمکانے لگی۔ وہ لڑکا اس صورت حال پر گھبرا گیا۔ اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور دوبارہ سائرہ کے لیے وہاں کھڑا نہیں ہوا' اس کی دوستوں نے اسے خوب شاباشی دی۔ لیکن سکول میں اس کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ شاید ان داستانوں میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا لیکن خوش قسمتی سے وہ سکول میں اس کا آخری سال تھا۔

کالج پہنچنے پر بھی اس نے اپنے طور طریقے نہیں چھوڑے۔ دوستوں کے لیے اس کے کارناموں میں وہاں بھی کمی نہیں آئی۔ ہر مشکل مرحلے پر وہ اسے ہی سامنے کرتیں اور وہ بلا خوف و خطر ڈٹ جاتی۔ بعد میں اس کی دوستیں اس کی بے تحاشا تعریفیں کرتیں۔

''بھئی' مجھے تو مومل پر رشک آتا ہے۔ کتنی بولڈ ہے وہ' ہم تو لڑکوں کو دیکھتے ہی چھپنے لگتی ہیں۔ یہ اسی کی ہمت ہے کہ انہیں منہ توڑ جواب دیتی ہے۔ لڑکیوں کو اسی جیسا ہونا چاہیے۔''

تعریفوں کے یہ پل مومل کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیتے۔ یونیورسٹی میں جانے کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ پہلی دفعہ وہ اور اس کی فرینڈز کوایجوکیشن میں آئی تھیں۔ اس لیے کافی نروس تھیں۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کی دوستوں نے پھر پرانے حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ جو لڑکا ان پر ریمارکس پاس کرتا وہ جواب دینے کے لیے مومل کو آگے کر دیتیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پہلے سال ہی یونیورسٹی میں خاصی مشہور ہو گئی۔ لیکن یہ شہرت نیک نامی کے زمرے میں نہیں آتی تھی۔ لڑکے پہلے کی نسبت اب اس پر زیادہ ریمارکس دیتے تھے۔

پھر انہیں دنوں ڈیپارٹمنٹ میں ایک لڑکے کے چرچے ہونے لگے اور یہ چرچے صرف لڑکیوں میں ہی نہیں لڑکوں میں بھی تھے۔ اسفند حسن کے لیے یونیورسٹی نئی نہیں تھی۔ چند ماہ پہلے اس نے اسی یونیورسٹی سے اکنامکس میں ماسٹرز میں ٹاپ کیا تھا اور اب وہ سی ایس ایس کی تیاری کے لیے دوبارہ کلاسز اٹینڈ کرنے کے لیے یونیورسٹی آنے لگا تھا۔ اور اس کی آمد نے انگلش ڈیپارٹمنٹ کی لڑکیوں کے درمیان بناؤ سنگھار کا ایک مقابلہ شروع کر دیا تھا۔ اور اس میں ان کا کوئی اتنا زیادہ قصور بھی نہیں تھا جس شخص کا نام اسفند حسن تھا۔ وہ واقعی دیکھنے کی چیز تھا۔ اس کی صرف پرسنالٹی ہی زبردست نہیں تھی بلکہ اس کا ذہن بھی کچھ غیر معمولی ہی تھا۔ سارے پلس پوائنٹ ہونے کے باوجود حیرت کی بات یہ تھی کہ یونیورسٹی میں اس کا کوئی سکینڈل کبھی مشہور نہیں ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ یونیورسٹی میں اس کی پرسنالٹی اور ذہانت کی وجہ سے اس کا شہرہ تھا۔ وہ مکمل تیاری کے ساتھ لیکچرز اٹینڈ کیا کرتا تھا اور کلاس میں اس کی موجودگی پروفیسرز کو خاصا چوکنا رکھتی تھی کیونکہ اس کی نالج کسی بھی چیز کے بارے میں بہت اپ ٹو ڈیٹ تھی اور وہ کسی بھی لمحہ کوئی بھی سوال کر سکتا تھا اور اس کے سوالات عام نہیں ہوتے تھے۔ وہ اکثر پروفیسرز کو مشکل میں ڈالتا رہتا تھا۔ سی ایس ایس کی تیاری کے سلسلے میں وہ انگلش ڈیپارٹمنٹ میں بھی ایک کلاس اٹینڈ کرنے آیا کرتا تھا اور اس کی آمد نے انگلش ڈیپارٹمنٹ میں اچھی خاصی ہلچل مچا دی تھی۔

جن دنوں اس نے آنا شروع کیا تھا۔ان دنوں موحل بیمار تھی اور اس نے ایک ہفتہ کی چھٹی لی ہوئی تھی۔ایک ہفتے کے بعد جب وہ یونیورسٹی آئی تھی تو وہ اپنی دوستوں کی گفتگو سن کر حیران رہ گئی تھی۔ان کی زبان پر بس ایک ہی بات تھی۔

''ہائے آج اسفند بلیک ڈینم میں کیسا لگ رہا تھا؟''

''اسفند پر گلاسز کتنے اچھے لگ رہے تھے۔''

موحل کو اس کے بارے میں سن سن کر اسے دیکھنے کا اشتیاق ہو گیا تھا۔پھر جب وہ ان کے ڈیپارٹمنٹ میں آیا تو اس کی دوستوں نے بطور خاص اسے اسفند کا دیدار کروایا تھا۔چند لمحوں کے لیے تو وہ بھی بہت متاثر ہوئی تھی۔وہ واقعی مردانہ حسن کا نمونہ تھا۔چند دن وہ بھی اپنی دوستوں کے ساتھ اس کے حسن اور پرسنالٹی کے قصیدے پڑھتی رہی اور اپنی دوستوں کی طرح ڈیپارٹمنٹ میں اس کی آمد کا انتظار کرتی رہتی۔لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ اس روٹین سے تنگ آ گئی۔وہ یکسانیت پسند نہیں تھی لیکن اپنی دوستوں کی خاطر وہ اب بھی اس کے انتظار میں کھڑی ہوتی تھی کہ وہ ڈیپارٹمنٹ میں کب آتا اور کب جاتا ہے۔وہ اپنی دوستوں کے ساتھ اس کلاس کے باہر کھڑی ہوتی کیونکہ اس کی دوست اکیلے وہاں نہیں کھڑی ہو سکتی تھیں اس لیے موحل جیسے ''جواں مرد'' کی موجودگی ضروری تھی۔اسے مجبوراً ان کے ساتھ جانا پڑتا حالانکہ اس کے انتظار میں بے وقوفوں کی طرح آدھ گھنٹہ گزارنا اسے کافی مشکل لگنے لگا تھا۔لیکن دوستی تو دوستی ہے۔میں انہیں اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتی۔وہ ہر بار یہی سوچتی۔لیکن وہ یہ بات نہیں جانتی تھی کہ ان کا گروپ آہستہ آہستہ لوگوں کی نظروں میں آ رہا ہے۔پورے ڈیپارٹمنٹ میں ان کے بارے میں سرگوشیاں ہونے لگی تھیں۔لیکن اس نے اس جانب زیادہ توجہ نہیں دی۔

اس دن وہ اپنی ایک دوست کے ساتھ لائبریری میں شیکسپیئر کا ایک ڈرامہ لینے گئی تھی۔اس ڈرامے کا اوریجنل ٹیکسٹ بازار میں دستیاب نہیں تھا۔اور اس نے سوچا کہ جب تک وہ مارکیٹ میں نہیں آتا۔وہ لائبریری سے اسے ایشو کروا کر پڑھ لے گی۔جب وہ کاؤنٹر پر اپنی دوست کے ساتھ کتاب ایشو کروانے گئی تو اس نے دیکھا۔اسفند بھی کچھ کتابیں ایشو کروا رہا ہے۔اس کی دوست کچھ نروس ہو گئی تھی۔اس کا اپنا دھیان بھی اس کی جانب تھا۔اسی وقت لائبریرین اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔''میکبتھ کا اوریجنل ٹیکسٹ ہے لائبریری میں۔شیکسپیئر کا مشہور ناول ہے؟''اس نے کچھ نروس سے انداز میں لائبریرین سے پوچھا۔

اسفند نے رجسٹر پر سائن کرتے کرتے ہاتھ روک کر اس کی طرف دیکھا۔وہ اس کی اس حرکت پر حیران ہوئی۔کیونکہ اس سے اس کی کوئی جان پہچان نہیں تھی جو وہ اس طرح مسکراتا۔موحل نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے نظر ہٹا لی۔

''ایکسکیوز می مس!شیکسپیئر نے میکبتھ نام کا کوئی ناول نہیں لکھا۔''لائبریرین کے بجائے اس نے اسفند کو کہتے سنا تھا۔

وہ سر گھما کر پھر اس کی طرف دیکھنے لگی۔اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔فوری طور پر موحل کو کوئی جواب نہ سوجھا۔اس نے اپنی دوست پر نظر دوڑائی وہ بھی کچھ حیرت زدہ تھی۔

''آپ غلط کہہ رہے ہیں۔شیکسپیئر کا ناول میکبتھ ہمارے سلیبس میں شامل ہے۔''موحل نے قدرے بلند آواز میں اس سے کہا تھا مگر وہ اسی

طرح مسکراتا رہا۔

''آپ کے سیلبس میں شیکسپیئر کا کوئی ناول نہیں ہے۔ اس نے ایک بار پھر کہا۔ اس کا اصرار مومل کی سمجھ سے باہر تھا۔''

''میں شرط لگا کر کہتی ہوں کہ ہمارے سیلبس میں شیکسپیئر کا یہ ناول ہے۔''

اس بار وہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''چلیں ٹھیک ہے بیٹنگ (شرط) ہی سہی کیوں عمر! کیا شیکسپیئر نے اس نام سے کوئی ناول لکھا ہے؟'' اس نے بڑے معنی خیز انداز میں اپنے پاس کھڑے ہوئے لڑکے سے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس کے دوست نے بڑا مختصر سا جواب دیا تھا۔

''آپ نے سنا۔ عمر نے لٹریچر میں ماسٹرز کیا ہے لیکن وہ شیکسپیئر کے ایسے کسی ناول کو نہیں جانتا۔ اب آپ ثابت کریں کہ شیکسپیئر نے اس نام کا کوئی ناول لکھا ہے۔''

وہ اب اس کی باتوں پر جھنجھلانے لگی۔

''آپ کو کچھ نہیں پتا۔ شیکسپیئر نے اس نام کا ناول لکھا ہے اور وہ ہمارے سیلبس میں بھی ہے بلکہ آپ ٹھہریں۔ میں آپ کو سیلبس دکھاتی ہوں۔''

بات کرتے کرتے اچانک اسے یاد آیا کہ اس کے بیگ میں پارٹ ون کا سیلبس موجود تھا۔

سیلبس نکال کر اس نے بڑے فخریہ انداز میں اسفند کے چہرے کے سامنے کر دیا۔

''اگر آپ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو آپ کو نظر آ جائے گا کہ یہ ناول اس سیلبس میں شامل ہے اور اسے شیکسپیئر نے ہی لکھا ہے۔''

لیکن اسفند نے سلیبس پر نظر دوڑانے کے بجائے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر میرے بجائے آپ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو آپ کو نظر آ جائے گا کہ یہ ناول نہیں play ہے اور شیکسپیئر ناول نہیں plays لکھتا تھا۔'' اس کے جملے پر مومل کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ جانتی تھی کہ شیکسپیئر نے ناول نہیں plays لکھے ہیں لیکن اس نے نروس ہو کر ایک واضح غلطی کی تھی اور بعد میں وہ اسی پر اڑی رہی۔ خجالت سے اس کا بُرا حال تھا۔ کسی طرف دیکھے بغیر خاموشی سے وہ لائبریری سے باہر آ گئی۔ اس کی دوست بھی اس کے پیچھے آ گئیں باہر آ کر وہ اپنی دوست پر دھاڑنے لگی۔

''تمہیں مجھے میری غلطی کے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا۔ تم منہ بند کر کے سارا تماشا دیکھتی رہیں۔''

اس کی دوست اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔

''یار! مجھے تو خود پتا نہیں تھا۔ مجھے کیا اندازہ کہ وہ کس حوالے سے بات کر رہا ہے ورنہ میں تمہیں کبھی اس بحث میں انوالو نہ ہونے دیتی۔ ویسے یار! دیکھو اس نے کس طرح تمہاری غلطی کو پکڑا ہے۔ مگر میں تو حیران ہوں کہ اس نے تم سے بات کیسے کر لی۔ مجھ سے بات کرتا تو میں تو فوت ہی ہو جاتی۔''

عالیہ کی بات پر مومل کا پارہ اور چڑھ گیا۔ وہ کافی دیر عالیہ پر برستی رہی خجالت سے اس کا بُرا حال تھا اور اسی خجالت کے مارے وہ اگلے دن یونیورسٹی نہیں گئی۔

تیسرے دن جب وہ یونیورسٹی گئی تو اس کی دوستیں اسے دیکھ کر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرائی تھیں۔

''تمہارے لیے ایک تحفہ بھیجا ہے اسفند نے۔''

وہ عالیہ کی بات پر حیران رہ گئی۔

سائرہ نے اسے ایک کتاب تھما دی۔

''تم تو کل آئی نہیں تھیں مگر اسفند آیا تھا اور یہ ڈرامہ دے کر کہنے لگا کہ اپنی دوست کو یہ ''ناول'' میری طرف سے دے دیجئے گا۔''

وہ سائرہ کی بات پر یک دم بگڑ گئی۔ ''اور تم نے خاموشی سے یہ کتاب تھام لی۔ وہ میرا مذاق اڑا رہا تھا اور تم لوگوں نے ذرا پروا نہیں کی۔''

''صرف کتاب نہیں اس کے اندر ایک خط بھی ہے۔ تمہارے لیے۔ وہ پڑھو پھر غصہ کرنا۔'' فاریہ نے ہنس کر کہا۔

مومل نے کچھ پریشانی کے عالم میں خط نکالا۔

مائی ڈیئر مومل!

میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ میں نہیں جانتا۔ یہ سب کیسے ہوا لیکن یہ سچ ہے کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ تم وہ پہلی لڑکی ہو جس سے مجھے محبت ہوئی ہے۔ اب میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو اور اب میں تمہاری جانب سے جواب کا انتظار کروں گا۔ مجھے یقین ہے، تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔

تمہارا اور صرف تمہارا اسفند

خط پڑھ کر اس کا خون کھول اٹھا۔ اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''اس کمینے کی اتنی جرأت کہ وہ مجھے اس قسم کے محبت نامے بھیجے۔''

''ہم تو خود اس کو دیکھ کر حیران ہو گئے تھے۔ پہلے تو ہم نے سوچا کہ یہ خط خود جا کر اس کے منہ پر مارتے ہیں لیکن پھر ہم نے سوچا کہ ہمارا یہ کرنا بہتر نہیں ہوگا جو کچھ کرنا چاہیے۔ تم کو کرنا چاہیے تاکہ اسے اندازہ ہو جائے کہ تم ایسی ویسی لڑکی نہیں ہو اور ہو سکتا ہے' وہ تم سے معذرت بھی کر لے۔ اس وقت وہ کیفے ٹیریا میں بیٹھا ہوگا۔ تم وہیں جا کر اس سے بات کرو' ذرا اسے پتا تو چلے کہ تم کیا ہو۔''

اس نے فاریہ کے مشورے پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور سیدھا کیفے ٹیریا میں پہنچ گئی۔ بڑی آسانی سے اس نے اسفند کو وہاں پا لیا تھا۔ اسفند اسے اپنی جانب آتے دیکھ کر مسکرایا اور اس کی اس مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مومل نے اس کی میز پر پہنچ کر کتاب کھینچ کر اس کے منہ پر دے ماری۔

''تم نے کیا سمجھ کر مجھے یہ کتاب دی ہے؟'' وہ بلند آواز میں چلائی۔ اسفند نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھا تھا اور جب اس نے ہاتھ ہٹایا تو خون کے چند قطرے اس کی ہتھیلی پر نظر آ رہے تھے۔ اس کا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا۔ ارد گرد کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ ان کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔ ''میں نے یہ play آپ کو اس لیے دیا تھا کیونکہ آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ صرف نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ۔ اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہیں تھا۔ اگر آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی تو آپ بڑے آرام سے یہ کتاب واپس کر سکتی تھیں۔ اس قسم کی بے ہودگی کی ضرورت نہیں تھی۔''

اس نے بہت سرد لہجے میں اس سے کہا تھا مگر اس کی آواز بے حد دھیمی تھی۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں تک اس کی آواز پہنچے۔ مومل پر اس کے لہجے کی سختی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے ایک بار پھر وہ ہاتھ میں پکڑا ہوا خط اس پر اچھال دیا۔

''یہ لو لیٹر تم نے کون سے خلوص کے اظہار کے لیے دیا ہے؟''

وہ جیسے اس کی بات پر دم بخود رہ گیا تھا۔ ''میں نے کوئی لو لیٹر نہیں لکھا۔''

''تو کیا یہ تمہارے فرشتوں نے لکھا ہے۔ تم نے کیا سوچا کہ تم مجھے پھنسا لوگے اس طرح کے خط بھیج کر؟''

''میرے پاس ان خرافات کے لیے وقت نہیں ہے۔ میں یونیورسٹی اس لیے نہیں آتا اور جہاں تک تمہیں پھنسانے کا تعلق ہے تو مجھے خط لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم تو پہلے ہی میرے انتظار میں کھڑی رہتی ہو۔'' اسفند نے بہت تلخ لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔

مومل کے جسم میں جیسے آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس نے ایک زناٹے کا تھپڑ اس کے چہرے پر جڑ دیا۔ کیفے ٹیریا میں یک دم جیسے سناٹا چھا گیا۔ اسفند حسن اپنے گال پر ہاتھ جمائے کھڑا تھا اور وہ چیلنج کرنے والے انداز میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''اس تھپڑ کے لیے تم ساری عمر پچھتاؤ گی۔''

اسفند نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک لفظ کہا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے خون اترا ہوا تھا۔

''کیا کرو گے تم؟'' وہ اس کے تاثرات سے خائف نہیں ہوئی۔

''یہ تم بہت جلد جان جاؤ گی۔'' ٹیبل پر پڑی ہوئی کتابیں اٹھا کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کیفے ٹیریا سے نکل گیا۔

مول پر اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ واپس اپنی دوستوں کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ چلی گئی۔ اور انہیں سارے واقعات سنا دیئے۔

''موی! تم نے اسے تھپڑ کیوں مارا؟'' فاریہ اس کی بات سن کر چیخ پڑی۔

''کیوں نہ مارتی۔ وہ بے ہودہ بکواس کر رہا تھا۔ کیا میں اتنے لوگوں کے سامنے اپنی رسوائی برداشت کرتی اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا نہ تم لوگ اس کے لیے کلاسز کے باہر کھڑی ہوتیں اور نہ مجھے تم لوگوں کے ساتھ جانا پڑتا'' وہ اپنی دوستوں پر برس پڑی۔

''موی......! ہم نے تمہارے ساتھ صرف ایک مذاق کیا تھا کیونکہ آج اپریل فول تھا اور تم نے بغیر سوچے سمجھے اتنی بڑی حماقت کر دی۔''

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد یک دم عالیہ نے اس سے کہا۔ مول کو یوں لگا جیسے اس کے پاس کوئی بم پھٹا ہو۔ اس نے بے یقینی سے فاریہ اور عالیہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''وہ خط اقصیٰ نے لکھا تھا اسفند نے نہیں' تم نے اس کی ہینڈ رائٹنگ بھی نہیں پہچانی۔ تم بھی بعض دفعہ حد کر دیتی ہو۔''

مول کا پارہ اس وقت آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے پہلی بار اپنی دوستوں کو بے نقط سنائیں۔ وہ وضاحتیں پیش کرتی رہیں مگر اس نے کوئی وضاحت قبول نہیں کی تھی۔ چند منٹوں پہلے کا منظر بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا اور اس کی خلش بڑھتی جا رہی تھی۔

پھر اس کا دل یونیورسٹی میں نہیں لگا تھا۔ دوستوں کے روکنے کے باوجود وہ وہاں نہیں رکی اور پوائنٹ کی طرف چلی گئی۔ اپنے گھر کے پاس وہ حسب معمول بس سے اتری تھی اور پھر مین روڈ سے بائی روڈ پر مڑ گئی۔ اس کا ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس نے سفید رنگ کی اس ہونڈا پر بھی غور نہیں کیا تھا جس نے گھر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ گھر آ کر بھی اس کی پریشانی کم نہیں ہوئی تھی اس کا ضمیر اسے مسلسل لعنت ملامت کر رہا تھا۔

''میں نے غلطی کی اور ٹھیک ہے۔ میں کل اسفند سے معذرت کر لوں گی۔''

رات کو سونے سے پہلے اس نے فیصلہ کیا تھا اور پھر بڑی جدوجہد کے بعد سونے میں کامیاب ہو گئی۔

اگلے دن صبح حسب معمول تیار ہوئی تھی اور مقررہ وقت پر پوائنٹ پکڑنے کے لیے گھر سے باہر بائی روڈ پر آ گئی۔ وہ ابھی مین روڈ سے کافی دور تھی جب بہت تیزی سے ایک گاڑی یک دم اس کے قریب آ کر رک گئی۔ اس نے حیران ہو کر اس سیاہ رنگ کی گاڑی کو دیکھا جس کا فرنٹ ڈور کھلا تھا۔ اور سفید شلوار قمیض میں ملبوس ایک دراز قد نوجوان اس کے قریب آ گیا تھا۔

''آپ مول عباس ہیں؟'' بہت شستہ لہجے میں اس سے پوچھا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے وہ صرف اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

''آپ کون ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''تعارف کی ضرورت نہیں ہے' آپ بس اتنی زحمت کریں کہ گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ سڑک پر آپ کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی جائے۔''

مول اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر دھک سے رہ گئی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر دو اور لمبے تڑنگے آدمی اس کے اطراف میں آ

کر کھڑے ہوگئے۔اس کا جسم کانپنے لگا۔فق ہوتی ہوئی رنگت کے ساتھ اس نے کسی مدد کی آس میں سڑک کو دیکھا تھا۔

''اگر آپ کو یہ امید ہے کہ سڑک سے کوئی گاڑی گزرے گی اور آپ شور مچا کر اسے متوجہ کرلیں گی تو ایسا نہیں ہوگا۔اس بائی روڈ کے دونوں اطراف میں دو گاڑیاں ہیں اور وہ کسی کو بھی اس وقت تک اس سڑک پر آنے نہیں دیں گی۔جب تک ہم یہاں سے چلے نہیں جاتے اس لیے آپ گاڑی میں بیٹھ جائیں۔''

اس بار اس کا لہجہ بے حد سخت تھا۔اس نے مومل کے اطراف کھڑے ہوئے آدمیوں کو کوئی اشارہ کیا تھا اور ایک آدمی نے اسے گاڑی کے دروازے کی طرف دھکیل دیا تھا دوسرے آدمی نے کہیں سے ایک ریوالور برآمد کیا تھا اور اس پر تان دیا۔سفید شلوار قمیض والا نوجوان کچھ کہے بغیر پُرسکون انداز میں دوبارہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ وہ بھی گاڑی میں سوار ہوگئی۔وہ دونوں آدمی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ان کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔دائیں طرف بیٹھے ہوئے آدمی نے اپنی جیب سے ایک سیاہ پٹی نکال کر اس کی آنکھوں پر باندھ دی۔اسے پوری دنیا اندھیرے میں ڈوبتی محسوس ہوئی۔

''تم مجھے کہاں لے کر جارہے ہو؟'' کانپتی ہوئی آواز میں اس نے پوچھا۔

''آپ کو بہت جلد پتا چل جائے گا۔''اس نوجوان کی آواز ابھری تھی۔

''میرے بھائیوں کو پتا چل گیا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔وہ سرکاری افسر ہیں۔کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں۔''اس نے انہیں دھمکانے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

''اچھا۔''جواب ایک بار پھر مختصر تھا۔مومل کا دل رونے کو چاہا۔

''تم مجھے اسفند کے پاس لے کر جارہے ہو؟''اس نے ایک بار پھر پوچھا۔گاڑی میں اس بار خاموشی رہی۔اس کا شک یقین میں بدل گیا۔اس نے آنکھوں سے پٹی ہٹانی چاہی مگر اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''یہ پٹی اتارنے کی کوشش کررہی ہے۔''اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی نے بلند آواز میں کہا۔

''اب ایسا کرے تو اس کے منہ پر تھپڑ مارنا۔''اسی نوجوان نے کرخت آواز میں کہا تھا۔اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔مومل نے اپنا ہاتھ نیچے کرلیا۔وہ دوبارہ ہاتھ پٹی تک لے جانے کی ہمت نہیں کرپائی۔اس کا دل چاہ رہا تھا وہ زور زور سے چیخیں دھاڑیں مار مار کر روئے لیکن وہ اپنے آنسوؤں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

پہلی دفعہ اسے صحیح معنوں میں اپنے کیے پر پچھتاوا ہوا تھا۔وہ اندازہ نہیں کرسکی گاڑی کتنی دیر چلتی رہی۔اس کے لیے گویا یہ قیامت کا سفر تھا۔پھر گاڑی رک گئی تھی۔اس کا دروازہ کھولا گیا اور اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی سے اتارا۔مومل نے دوسرے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی پٹی اتارنی چاہی مگر ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا گیا۔

''اسے ابھی آنکھوں پر ہی رہنے دو۔''اس نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہا تھا پھر اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے وہ اسے کسی

گھر کے اندر لے گیا۔ موِل کو بار بار دروازے بند ہونے اور کھلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ پھر اچانک اس نے موِل کا ہاتھ چھوڑ کر اس کی پٹی اتار دی۔ چند لمحوں تک موِل کو کچھ نظر نہیں آیا لیکن پھر آہستہ آہستہ اردگرد کا منظر واضح ہونے لگا۔ اس کے پاس کھڑا نوجوان بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ موِل کو اس کی نظروں سے خوف آنے لگا۔

''تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' چند قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''میں کون ہوں۔ تمہیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں۔ یہ جاننے کے لیے تم کچھ دیر انتظار کرو۔''

وہ کہتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے گئی اور دروازے کے ہینڈل کو گھمانے لگی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ شاید وہ اسے باہر سے لاک کر گیا تھا اور یہ چیز اس کے لیے خلاف توقع نہیں تھی۔ پھر اس نے دروازہ کا ہینڈل چھوڑ دیا۔ اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ شاید وہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈنا چاہتی تھی۔ وہ ایک کشادہ اور ویل فرنشڈ کمرہ تھا۔ کمرے کی ایک دیوار میں اسے کھڑکیاں بھی نظر آئیں۔ وہ تیزی سے ان کی طرف گئی اور پردے کھینچ کر وہ ایک بار پھر مایوس ہو گئی تھی۔ کھڑکیوں کے باہر گرل لگی ہوئی تھی اور کھڑکیوں سے نظر آنے والے منظر نے اسے ہولا دیا تھا۔ اسے شہر سے باہر کسی فارم ہاؤس میں رکھا گیا تھا۔ باہر دور دور تک کھیت سبزہ اور درخت نظر آرہے تھے۔

اس نے بے اختیار رونا شروع کر دیا اور اس بار اس نے اپنی آواز دبانے کی کوشش نہیں کی۔ کمرے میں پاگلوں کی طرح چکر لگاتے ہوئے وہ بلند آواز میں روتی رہی مگر اس کی آواز سن کر کوئی اندر نہیں آیا تھا۔ دوپہر کا کھانا وہی سفید شلوار قمیض والا نوجوان لے کر آیا تھا اور خاموشی سے اندر رکھ کر چلا گیا وہ روتے ہوئے اس کے پیچھے گئی مگر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ وہ بہت دیر تک زور زور سے دروازہ بجاتی رہی۔ اس کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی یہ سوچ کر اس کا دل ڈوب رہا تھا کہ جب گھر میں اس کی گمشدگی کا پتا چلے گا تو کیا ہوگا۔ روتے روتے خود ہی اس کے آنسو تھم گئے تھے۔ وہ سر پکڑ کر ایک صوفہ پر بیٹھ گئی۔

شام کے سات بجے اس نے ایک بار پھر قدموں کی چاپ سنی تھی دروازہ کے باہر دروازہ کھلا تھا اور ایک آدمی کھانے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے وہی نوجوان تھا۔ اس آدمی نے میز پر کھانے کی ٹرے رکھ دی اور اس پر پہلے سے موجود دوپہر کے کھانے کی ٹرے اٹھالی۔

''آپ نے کھانا نہیں کھایا؟'' اس نوجوان نے بہت نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔ موِل کو اس کے لہجے سے جیسے شہ مل گئی۔ وہ بلند آواز سے بولنے لگی۔

''مجھے کھانا نہیں کھانا۔ گھر جانا ہے۔ تم مجھے گھر جانے دو۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔'' موِل نے یک دم کمرے کے دروازے سے نکلنے کی کوشش کی تھی۔ اس کوشش کا نتیجہ ایک زبردست تھپڑ کی صورت میں نکلا تھا۔

''میں عام طور پر عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا مگر بعض عورتوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسے تمہارے لیے۔ تمہیں یہاں جس شخص کے کہنے پر لایا ہوں' صرف وہی تمہیں یہاں سے نکال سکتا ہے کوئی دوسرا نہیں۔ اس لیے تم اپنا شور شرابا بند کر دو۔ جس جگہ پر تم ہو یہاں میرے علاوہ تین

اور آدمی ہیں اور تینوں میں سے کوئی بھی تمہارا ہمدرد نہیں ہے اس لیے کسی سے مدد کی توقع مت رکھو۔''

وہ حلق میں اٹکے ہوئے سانس کے ساتھ دہشت زدہ اس کی باتیں سنتی رہی۔ وہ اپنی بات ختم کر کے اس آدمی کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ اسے ایک بار پھر رونا آ گیا تھا۔

''پتا نہیں' گھر والوں کا کیا حال ہوگا۔ پتا نہیں بھائی مجھے کہاں کہاں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔'' اس کا ذہن جیسے سوچوں کا گرداب بن گیا تھا۔

تیسری دفعہ کمرے کا دروازہ رات گیارہ بجے کھلا تھا اور آنے والے کو دیکھ کر اس کا سانس رک گیا تھا۔ اسے شک تو تھا کہ اسے اسفند کے کہنے پر اغوا کیا گیا ہے مگر اغوا کرنے والوں نے اس کی بات کی نہ تصدیق کی تھی نہ تردید' اس لیے اس کا شبہ یقین میں نہیں بدلا تھا یا شاید اسے توقع نہیں تھی کہ اسفند حسن جیسا شخص ایسی گھٹیا حرکت کر سکتا تھا۔ اور اب ......اب اسفند حسن اس کے سامنے تھا۔ اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا یوں جیسے وہ اسے جانتا ہی نہ ہو۔ وہ ستے ہوئے چہرے' سوجھی آنکھوں اور ٹھنڈے ہوتے ہوئے وجود کے ساتھ اسے کمرے میں آتا دیکھتی رہی۔

''تو موئل عباس! کوئی بات کریں۔ کچھ کہیں۔ میرے عشق میں کتنی طاقت تھی جو آپ کو یہاں کھینچ لایا ہے۔''

اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور لہجے میں زہر تھا۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ مجھے گھر جانے دو۔'' وہ یک دم گھٹنوں کے بل گر کے رونے لگی۔

''میں گھر بھجوا دوں گا۔ تمہیں اپنے پاس رکھ کر مجھے کرنا ہی کیا ہے۔ ہاں بس جب تم واپس جاؤ گی تو اتنی ہی ذلت اور رسوائی ساتھ لے کر جاؤ گی۔ جتنی کل میں یونیورسٹی سے لے کر گیا تھا۔'' وہ اس کے قریب آ گیا۔

''جو کچھ میں نے کل کیا' وہ غلط تھا۔ مجھے اس پر افسوس ہے میں ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی مانگتی ہوں۔'' اس نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''جو کچھ میں آج کروں گا' مجھے اس پر کبھی بھی افسوس نہیں ہوگا کیونکہ تم اس کی مستحق ہو۔''

موئل نے روتے روتے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ اس کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن وہ بھاگ نہیں سکی۔ فرار آسان نہیں ہوتا نہ زندگی سے نہ قسمت سے نہ ان حرکتوں سے جو ہم خود کو عقل کل سمجھ کر کرتے ہیں۔ ہر شخص کو گرنے کے لیے ٹھوکر کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض ٹھوکر لگے بغیر ہی گر جاتے ہیں پھر انہیں اٹھانے کے لیے کوئی ہاتھ بڑی مشکل سے ہی آگے بڑھتا ہے۔

وہ صبح بے حد خاموشی سے باہر چلا گیا تھا اور اندر وہ دھاڑیں مار مار کر روتی رہی۔ اس رات کے بعد وہ دوبارہ اس کے پاس نہیں آیا۔ تیسرے دن وہ صبح کے وقت آیا اور وہ اسے دیکھ کر ایک بار پھر خوفزدہ ہو گئی۔

''تم کھانا کیوں نہیں کھاتیں؟'' اس بار اس کا لہجہ اور انداز دونوں بدلے ہوئے تھے۔

''مجھے گھر جانے دو۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔ خدا کے لیے مجھے گھر جانے دو۔'' اس نے روتے ہوئے ایک بار پھر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ

دیئے۔

''ٹھیک ہے اگر تم گھر جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا۔ مگر پہلے تم کھانا کھاؤ اور کپڑے تبدیل کرلو۔''

وہ ایک پیکٹ اس کی طرف اچھال کر چلا گیا۔ وہ بجلی کی تیزی سے کپڑے بدل کر کھانا کھانے بیٹھ گئی۔ چند لقمے زہر مار کرنے کے بعد وہ پھر اٹھ گئی۔ اس کے بعد وہ کسی کی آمد کا انتظار کرتی رہی مگر کوئی نہیں آیا۔ اگلی صبح اسے اسی طرح آنکھوں پر پٹی باندھ کر گھر سے لے جایا گیا۔ اور پھر اس کو گھر کے پاس چھوڑ دیا گیا۔

موبل بازوؤں میں منہ چھپائے رو رہی تھی اور فاطمہ جیسے سکتہ کے عالم میں تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اب موبل کو چپ کروانے کی کوشش کرتی۔ ربیعہ بھی گم صم تھی۔ پھر اچانک فاطمہ بھی موبل سے لپٹ کر رونے لگی' شاید اسے خود پر قابو نہیں رہا تھا۔ ربیعہ کچھ دیر تک ان دونوں کو روتے دیکھتی رہی پھر اس نے نرمی سے فاطمہ کو موبل سے علیحدہ کیا تھا۔

''موبل! تم چپ ہو جاؤ۔ رونے سے کیا ہوگا۔ جو کچھ ہو چکا ہے' اسے بھول جاؤ۔ وہ ماضی ہے' اب آئندہ کا سوچو' تمہارے آگے پوری زندگی پڑی ہے۔ دنیا ختم تو نہیں ہوگئی۔''

''کیا میری دنیا ختم نہیں ہوگئی۔'' موبل نے روتے روتے سر اٹھا کر اس سے کہا۔ اس کی شکل دیکھ کر ربیعہ کے دل کچھ ہوا مگر اس نے ایک بار پھر خود پر قابو پالیا۔

''موبل! خود کو سنبھالو۔ جو کچھ ہو چکا ہے' اسے تم نہیں بدل سکتیں مگر جو زندگی آئندہ تمہیں گزارنی ہے۔ اس کے بارے میں تو سوچ سکتی ہو۔''

''زندگی؟ کون سی زندگی؟ میرے گھر والوں نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ کوئی رشتہ دار مجھے پناہ دینے کو تیار نہیں۔ میری بات پر کسی کو اعتبار ہی نہیں آتا۔''

ربیعہ نے اس کی بات پر ایک طویل سانس لی۔

''موبل! صرف رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی ہمارے پاس وقت ہے۔ ہم تمہارے گھر والوں سے بات کریں گے۔ ہم یہ نہیں بتائیں گے کہ تمہارے ساتھ کوئی غلط حرکت ہوئی ہے۔ یہ کہیں گے کہ تمہیں کسی اور لڑکی کے دھوکے میں اغوا کیا گیا تھا اور جب اغوا کرنے والوں کو حقیقت کا پتا چلا تو انہوں نے تمہیں چھوڑ دیا۔''

''اور اگر انہوں نے پھر بھی مجھے نہ رکھا تو؟'' موبل نے ربیعہ سے پوچھا۔ وہ فاطمہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''تو پھر کچھ نہیں۔ ہم لوگ تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں سڑک پر نہیں پھینکیں گے۔''

ربیعہ نے قطعی لہجے میں کہا۔ موبل حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی کہ یہ بات فاطمہ کہتی تو شاید اسے حیرت نہ ہوتی لیکن ربیعہ کے منہ سے یہ بات اسے بڑی عجیب لگی تھی۔ اس کی ربیعہ سے صرف سرسری سی جان پہچان تھی۔ وہ فاطمہ سے ملنے آتی اور ربیعہ سے بھی سلام دعا ہو جاتی کیونکہ وہ فاطمہ کی

روم میٹ تھی اور اس کی بہت اچھی دوست بھی تھی اور اس وقت وہ اس کے لیے جیسے رحمت کا فرشتہ بن کر آئی تھی۔ اس نے زبردستی موئل کو کھانا کھلایا تھا اور پھر اسے نیند کی گولی دے کر سلا دیا۔ پھر وہ فاطمہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''اب کیا ہوگا ربیعہ! اب کیا ہوگا؟ موئل زندگی کیسے گزارے گی؟ کیسے رہے گی؟'' فاطمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں اس سے کہا تھا۔

''کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے اور افسوس کرنے سے تو کچھ نہیں ہوگا۔ تم اب اس کے سامنے رونا مت۔ تمہارے آنسو اسے اور ڈپریس کر دیں گے۔ جو کچھ ہو چکا ہے، ہم اسے بدل نہیں سکتے لیکن اسے تسلی اور دلاسا تو دے سکتے ہیں۔ بار بار وہی بات دوہرانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ صبح ہم ہاسپٹل جانے سے پہلے اس کے گھر جائیں گے اور اس کی بھابھیوں سے بات کریں گے۔ ہوسکتا ہے وہ اسے رکھنے پر تیار ہو جائیں ورنہ دوسری صورت میں ہم اسے کسی ہاسٹل میں داخل کروا دیں گے۔ کچھ روپے میرے پاس ہیں اور کچھ تم دے دینا۔ ہم بہت آسانی سے اس کے اخراجات اٹھا سکتے ہیں پھر وہ اپنی تعلیم مکمل کر لے گی تو اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔''

ربیعہ نے جیسے سب کچھ پہلے سے طے کر رکھا تھا۔ فاطمہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

دوسرے دن وہ موئل کے گھر گئیں لیکن موئل کی بھابھیوں کے چہرے کے تاثرات نے انہیں بتا دیا کہ وہ اب موئل کی کسی دوست سے ملنا نہیں چاہتیں اور جب انہیں ان کی آمد کا پتا چلا تو وہ یک دم غضب ناک ہوگئیں۔ ان کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ وہ اپنے سارے دلائل دل میں لیے واپس آ گئیں۔ جب مقابل بات کرنے پر تیار نہ ہو تو اسے قائل کرنا تو بہت مشکل ہوتا ہے۔ بجھے دل کے ساتھ انہوں نے موئل کو سب کچھ بتا دیا۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ گم صم ان کی باتیں سنتی رہی۔

''ان کا قصور نہیں ہے۔ وہ بھی مجبور ہیں اگر مجھے گھر میں رکھیں گی تو خاندان والے ان کا جینا حرام کر دیں گے اور بھائی تو شاید مجھے قتل ہی کر دیں۔''

''وہ مجبور نہیں ہیں۔ ڈرامہ کر رہی ہیں۔ صرف تم سے جان چھڑانا چاہتی ہیں اگر یہ ان کی اپنی بیٹی کے ساتھ ہوا ہوتا تو کیا وہ اسے بھی اسی طرح گھر سے نکال دیتیں۔''

ربیعہ غصے میں آ گئی تھی اس کی بات سن کر۔

''یہ سب اس ذلیل شخص کی وجہ سے ہوا ہے اگر وہ یہ سب نہ کرتا تو کوئی مجھے گھر سے نکال نہیں سکتا تھا۔'' وہ جانے کس طرح خود پر ضبط کیے بیٹھی تھی مگر ربیعہ کی بات نے اسے پھر رلا دیا۔ فاطمہ اسے چپ کروانے لگی۔

ایک ہفتے تک وہ اسی طرح رہی تھی۔ کبھی بیٹھے بیٹھے بغیر کسی وجہ کے رونا شروع کر دیتی اور کبھی اسفند کو گالیاں دینے لگتی۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے نارمل ہونا شروع کر دیا۔ ایک ورکنگ ویمن ہاسٹل میں ربیعہ نے اسے کمرہ لے دیا اور اس نے ایک بار پھر اپنی تعلیم پر توجہ دینے کی کوشش کرنی شروع کر دی۔ یونیورسٹی جانے کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ لوگوں کی نظروں کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی اور پھر وہاں وہ شخص اسفند حسن بھی ہوتا اور اس کا وجود اسے خوف میں مبتلا کیے رکھتا۔ اس نے پرائیویٹ طور پر امتحان دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ ربیعہ اور فاطمہ تقریباً ہر روز اس

کے پاس آتی تھیں اور پھر باتیں کر کے اس کا دل بہلایا کرتیں۔ کبھی وہ اسے اپنے ساتھ گھمانے کے لیے لے جاتیں۔ ان دونوں کا وجود اس کے لیے بہت سکون بخش تھا۔ اسے بعض دفعہ حیرت ہوتی تھی کہ وہ دونوں اس پر اتنی توجہ' اتنی محبت کیوں دے رہی تھیں۔ وہ اس کے گھر والوں اور دوسرے دوستوں کی طرح بھاگ کیوں نہیں۔ انہوں نے اس سے چھٹکارا پانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ بہر حال وہ ان کی ذمہ داری تو نہیں تھی اور نہ ہی ان پر اس کا کوئی حق تھا مگر ساری سوچیں اس کے وجود کو ان دونوں کے احسانوں کے قرض میں جکڑ دیتیں۔

ان ہی دنوں اس کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ شروع میں اس نے اتنا دھیان نہیں دیا مگر ربیعہ ایک دن اسے زبردستی ہاسپٹل لے کر گئی اور اس کے ٹیسٹ کروائے اور ٹیسٹوں کی رپورٹس نے ان تینوں پر جیسے سکتہ کر دیا تھا۔ مومل پریگننٹ تھی۔ جس حادثے کو وہ بھول جانے کی کوشش کر رہی تھی وہ ایک بار پھر ایک بھیانک سچائی کی طرح اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''ربیعہ! اب کیا ہو گا؟'' کسی ڈوبتے ہوئے شخص کی طرح وہ ایک بار پھر ربیعہ کو پکار رہی تھی۔ ربیعہ بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ ہر قدم پر اس کی مدد نہیں کر سکتی تھیں۔

''تم پریشان مت ہو مومل! میں کچھ سوچوں گی کہ تمہیں اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا دلایا جائے۔''

ربیعہ اور فاطمہ اسے تسلیاں دیتی ہوئی واپس آ گئیں۔

''ربیعہ! اب کیا ہو گا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' فاطمہ نے ہاسٹل واپس آتے ہی سر پکڑ لیا۔

''کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ ہم اسے ایسے ہی تو نہیں چھوڑ سکتے مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم کریں کیا؟'' ربیعہ بھی اسی کی طرح الجھی ہوئی تھی۔

''ربیعہ! ربیعہ، کیوں نہ ہم اس لڑکے کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ وہ مومل سے شادی کر لے۔'' ربیعہ حیرانی سے فاطمہ کی بات پر اس کا منہ دیکھنے لگی۔

''کس قدر احمقانہ خیال ہے تمہارا۔ وہ اس قدر رحم دل ہوتا تو یہ سب کچھ کرتا کیوں؟ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہمارے کہنے پر وہ شادی پر تیار ہو جائے گا۔''

''ربیعہ! کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے' وہ ہماری بات مان جائے اور اگر وہ نہ مانا تو کم از کم ہم اسے اس بات پر مجبور کریں گے کہ مومل کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلوائے۔ ہم اسے دھمکی دیں گے کہ ہم یہ معاملہ اس کے گھر لے کر جائیں گے۔'' ربیعہ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہمارے پاس تو اتنے روپے نہیں ہیں کہ ہم اس کو چھٹکارا دلا سکیں۔ مگر وہ تو مومل کی مشکل حل کر سکتا ہے ذرا سوچو تو؟'' وہ ربیعہ کو قائل کرنے پر تلی تھی۔

''تمہاری یہ تجویز کتنی موثر ثابت ہوتی ہے' میں نہیں جانتی مگر ٹھیک ہے ایک بار ٹرائی کر لیتے ہیں۔'' ربیعہ نے بے دلی سے کندھے اچکا

دیئے۔

اگلے دن وہ دونوں یونیورسٹی چلی گئیں۔ مختلف ڈپارٹمنٹس سے اس کے بارے میں پوچھتے پوچھتے وہ اس تک پہنچ ہی گئیں۔ وہ لائبریری میں بیٹھا تھا۔ چند لمحوں تک وہ بھی اس پر سے نظر نہیں ہٹا سکیں۔ وہ واقعی خطرناک حد تک مردانہ حسن کا مالک تھا۔ اور کسی لڑکی کا اسے دیکھ کر اس پر فدا ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔

''آپ کا نام اسفند حسن ہے؟'' ربیعہ نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

اس نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔ ''ہاں۔''

''ہمیں آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''

ربیعہ کی بات پر اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے کریں۔''

''دیکھیں آپ پلیز باہر آ کر ہماری بات سن لیں۔ ہم ان کے سامنے بات کرنا نہیں چاہتے۔'' ربیعہ نے کچھ جھجکتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے دوستوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد اٹھ کر ان کے ساتھ باہر آ گیا۔ ربیعہ نے باہر آنے کے بعد مختصر لفظوں میں اپنا اور فاطمہ کا تعارف کرایا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتا رہا۔

''ہم آپ سے مومل کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں۔'' تعارف کرواتے ہی ربیعہ بلا توقف اصل موضوع پر آ گئی۔ اسفند کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا۔

''اس کے بارے میں کیا بات کرنا چاہتی ہیں؟ اور آپ کا اس سے کیا تعلق ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں ان سے پوچھا تھا۔

''اس سے ہمارا کیا تعلق ہے' اسے جان کر آپ کیا کریں گے۔ ہم تو آپ کو صرف یہ اطلاع دینے آئے ہیں کہ وہ پریگننٹ ہے۔''

''کیا؟'' ربیعہ کی بات پر بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا اور چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔

''اتنی حیرت کس بات پر ہے آپ کو؟ جو کچھ آپ نے کیا تھا۔ کیا اس کے بعد ایسی کوئی خبر حیرت انگیز ہو سکتی ہے؟''

ربیعہ کا لہجہ بے حد کٹیلا تھا۔ وہ اس کی بات پر چند لمحوں تک کسی سوچ میں گم رہا اور پھر اس نے یک دم تیز آواز میں کہنا شروع کر دیا۔

''میں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے اور کیوں کیا ہے' یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ آپ کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ جو ہوا' وہ اس کی مستحق تھی۔ اب اگر وہ پریگننٹ ہے تو یہ اس کا مسئلہ ہے میرا نہیں۔ اس لیے مجھے اس اطلاع سے کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ کو میرے پاس نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''کیوں نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ بچہ جائز ہے یا ناجائز۔ اولاد تو تمہاری ہی ہے۔ پھر سارے نقصان وہ اکیلی کیوں برداشت کرے۔ تم اس سے شادی کرو۔'' فاطمہ یک دم بیچ میں بولنے لگی تھی۔

''آپ پاگل ہو گئی ہیں۔ میں اور اس سے شادی کروں' یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اسفند کا لہجہ قطعی تھا۔

''ٹھیک ہے پھر ہم اسے تمہارے گھر بھجوائیں گے تاکہ وہ تمہاری فیملی کو تمہارے کرتوتوں کے بارے میں بتائے۔'' فاطمہ کا لہجہ بے حد تلخ ہو گیا تھا۔

''تم لوگ ایسا نہیں کر سکتیں۔''

''کیوں نہیں کر سکتے اگر تم کسی کی زندگی تباہ کر سکتے ہو تو ہم کیا کسی کو یہ سب بتا نہیں سکتے۔ تمہیں بھی پتا چلنا چاہیے' ذلت اور رسوائی کیا ہوتی ہے۔'' فاطمہ ایک بار پھر بول اٹھی تھی۔

''دیکھو۔ میری منگنی ہو چکی ہے' اس سال کے آخر میں میری شادی ہونے والی ہے۔ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ اگر میری فیملی کو یہ سب کچھ پتا چل گیا' تب بھی میں ان کی نظروں سے گر ضرور جاؤں گا مگر وہ میری شادی وہیں کریں گے۔ وہ مول کو میری بیوی کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اس لیے تم اس حوالے سے مجھے بلیک میل مت کرو۔ مگر ہاں ٹھیک ہے۔ مجھ سے جو غلطی ہوئی ہے میں اس کا تاوان دے سکتا ہوں۔ اسے جتنے روپے کی ضرورت ہے وہ لے لے اس مصیبت سے چھٹکارا پا لے میں اب اس کی صرف یہی مدد کر سکتا ہوں۔''

اسفند کے لہجے میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ اس کی آواز اب بہت دھیمی ہو چکی تھی۔

''اسفند! کبھی انسان بن کر سوچو تو تمہیں خیال آئے گا کہ تم جسے مارنے کی بات کر رہے ہو' وہ تمہاری اپنی اولاد ہے' اپنی اولاد کو تو صرف سانپ کھاتا ہے مگر وہ بھی اسے دنیا میں ضرور آنے دیتا ہے۔ تم تو سانپ سے بھی گئے گزرے ہو۔ تمہاری وجہ سے ایک لڑکی کی زندگی برباد ہوئی ہے اس کے گھر والوں نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ ہم نے اسے سہارا دیا ہے مگر کب تک۔؟ اور تم ایک بات یاد رکھنا ہم نے اسے سہارا ضرور دیا ہے۔ مگر تمہاری اولاد کو نہیں دیں گے۔ ابارشن تو ہم اس کا کبھی نہیں کروائیں گے۔ تمہاری درندگی کا ایک جیتا جاگتا ثبوت تو

ہونا ہی چاہیے اس دنیا میں جو بیس پچیس سال بعد تمہارا گریبان پکڑ کر تم سے پوچھے کہ کیا تم انسان ہو؟ ناجائز بچوں کو جب لوگ نام نہیں دیتے تو وہ کیا بن جاتے ہیں یہ تمہیں بھی پتا چل جائے گا۔ اور ایک بار سوچو۔ بیٹی پیدا ہوئی تو تم کیا کرو گے۔ وہ بھی اپنی ماں کی طرح ٹھوکریں کھاتی پھرے گی اور اگر اسے بھی تمہاری طرح کے لوگ ملنے لگے تو کیا ہوگا۔ کبھی سامنا ہونے پر کیا تم شرم سے ڈوب نہیں مرو گے۔ ایک بار اس بھیانک دل کے بغیر سوچو۔ لوگ اپنی اولاد کے لیے کیا کیا کرتے ہیں اور تم کیا کر رہے ہو۔"

وہ ربیعہ کی باتوں پر نظریں زمین پر جمائے خاموش کھڑا رہا۔ ربیعہ نے مزید کچھ نہیں کہا اور فاطمہ کے ساتھ واپس ہاسٹل آ گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ شادی پر تیار ہوگا؟" ہاسٹل واپسی پر فاطمہ نے ربیعہ سے پوچھا۔

"پتا نہیں، بہر حال اگر وہ شادی پر تیار نہ ہوا تو میں اس سے کہوں گی کہ وہ موبل کا ابارشن خود کروائے۔ یہ کام ہم نہیں کریں گے۔" ربیعہ کو تھکن محسوس ہو رہی تھی۔

شام کے وقت ربیعہ کا فون آیا تھا۔ وہ وارڈن کے کمرے میں فون سننے گئی اور جیسے حیرت سے جم کر رہ گئی تھی۔ فون پر اسفند حسن تھا کسی تمہید کے بغیر اس نے کہا تھا۔

"میں موبل سے شادی کرنے پر تیار ہوں۔"

ربیعہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ "لیکن میں فی الحال اس شادی کا اعلان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں ابھی اپنے والدین سے کوئی جھگڑا افورڈ نہیں کر سکتا۔ چند ماہ بعد میں پیپرز سے فارغ ہو جاؤں گا۔ تب میں اپنی فیملی کو شادی کے بارے میں بتا دوں گا۔ ابھی میں اس سے نکاح کر لیتا ہوں۔ میرے دوست کا ایک فلیٹ ہے، وہ چاہے تو وہاں شفٹ ہو جائے۔ آپ لوگ نکاح کی تاریخ طے کر لیں اور مجھے انفارم کر دیں۔"

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ربیعہ کو اپنا فون نمبر اور موبائل نمبر لکھوایا تھا۔ ربیعہ کی ساری تھکن جیسے غائب ہو گئی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی واپس کمرے میں آئی تھی اور یہ خبر سن کر فاطمہ کی بھی یہی حالت ہوئی تھی۔ اس رات وہ دونوں بڑے سکون سے سوئی تھیں کیونکہ انہیں لگ رہا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

☆

ان کی یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی تھی۔ دوسرے دن جب انہوں نے موبل کے ہاسٹل جا کر اسے یہ خبر سنائی تو وہ جیسے ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھی۔ "میں جانتی ہوں، میں تم لوگوں پر بوجھ ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھے اس شخص کے سر تھوپنے کی کوشش کرو جو میری بربادی کا ذمہ دار ہے۔ تم اگر مجھ سے تنگ آ گئی ہو تو مجھ سے صاف صاف کہہ دو میں کہیں چلی جاؤں گی۔ لیکن مجھے دوبارہ پلیٹ میں رکھ کر اس شخص کے سامنے پیش کرنے کی کوشش مت کرو۔"

ربیعہ اور فاطمہ اس کا منہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔ انہیں اس سے اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

"دیکھو موبل! تم ایموشنل (جذباتی) ہو رہی ہو۔" ربیعہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اس نے ربیعہ کی بات کاٹ دی۔

''میں نہیں تم لوگ ایموشنل ہو رہے ہو۔ میں جس شخص کی شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔ اس کی بیوی بن کر کیسے رہ سکتی ہوں۔ میں اس سے شادی کرنے کے بجائے جان دینا زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔ میرے دل میں اس کے لیے کتنی نفرت ہے یہ تم کبھی نہیں سمجھ سکتیں۔ وہ اذیت' وہ تکلیف' وہ ذلت صرف مجھے اٹھانی پڑی تھی۔ وہ تمہارے ساتھ ہوا ہوتا تو پھر میں تم سے پوچھتی۔''

''موحل! میں جانتی ہوں' تم اس سے بہت نفرت کرتی ہو لیکن اپنے بچے کے بارے میں سوچو۔''

''ربیعہ! میں کیوں سوچوں اس کے بارے میں۔ وہ جہنم میں جائے۔ مجھے کسی بچے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں ہر قیمت پر اس سے چھٹکارا حاصل کرلوں گی' چاہے تم لوگ میری مدد کرو یا نہ کرو۔''

''موحل! تم اپنے بچے کو مار ڈالو گی؟''

''اس کے باپ نے بھی تو مجھے مار ڈالا تھا نا۔ کیا اس نے مجھ پر رحم کھایا تھا پھر میں اس پر رحم کیوں کروں۔ میں اپنی آستین میں ایک اور سانپ کیوں پالوں۔'' اس کے پاس ربیعہ کی ہر بات کا جواب تھا۔

''اتنی دیر سے تمہاری باتیں سن رہی ہوں۔ اب تم ہماری بات سنو۔ اپنی تباہی کی ذمہ دار تم خود ہو۔'' فاطمہ نے یک دم بولنا شروع کر دیا۔ موحل کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

''فاطمہ! یہ تم کہہ رہی ہو؟''

''ہاں' یہ میں کہہ رہی ہوں۔ تم نے کیوں اپنی دوستوں کے کہنے پر اس سے لڑنا شروع کر دیا تھا۔ کیوں اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ اگر تم ایک فضول سی بات پر اس سے جھگڑا مول نہ لیتیں تو آج اس حالت میں نہ ہوتیں۔ تمہیں اپنی ذلت اور رسوائی کا احساس ہے لیکن اسفند کے لیے کیا کہو گی۔ عزت صرف عورت کی نہیں ہوتی۔ مرد کی بھی ہوتی ہے۔ تم نے بھی اسے ذلیل کیا تھا اور تمہاری پہل نے ہی اسے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔ تمہاری دوستوں نے تمہیں ایک غلط بات پر اکسایا۔ تم نے فوراً وہ کام کر ڈالا۔ ہم تمہیں سیدھا راستہ دکھا رہے ہیں۔ تمہاری سمجھ میں ہماری بات نہیں آ رہی۔ مجھے لگتا ہے۔ تمہیں ابھی بھی عقل نہیں آئی۔ تم نے اپنی غلطی سے کچھ نہیں سیکھا۔ تمہیں اپنی زندگی بچانے کا ایک موقع مل رہا ہے اور تم اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتیں۔ اسفند نے اگر تمہیں اغوا کر کے ذلالت کا ثبوت دیا تھا تو اپنے بچے کو مار کر تم کون سی اعلاظرفی کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ فاطمہ بہت غصے میں تھی مگر موحل یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اعلاظرف ہوں ہی نہیں تو اعلاظرفی کا مظاہرہ کہاں سے کروں۔ میں اس سے شادی تو کسی قیمت پر نہیں کروں گی' ہاں تم لوگوں کا بوجھ ختم کرنے کے لیے خود کو ختم کر لیتی ہوں۔'' وہ تیزی سے کمرے کی کھڑکی کی طرف چلی گئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ چھلانگ لگاتی' ربیعہ نے اسے پکڑ لیا تھا اور زوردار تھپڑ مار کر دور دھکیل دیا۔ ان دونوں کے جیسے ہوش اڑ گئے تھے۔

''تم یہ صلہ دے رہی ہو ہمیں۔ تمہاری وجہ سے ہماری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں اور تم ہمارے کمرے کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کرنا چاہتی ہو تاکہ ہمارا کیریر ختم ہو جائے ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ ہم تمہارا مستقبل بچانا چاہتے ہیں اور تم ہمارا مستقبل تباہ کرنا چاہتی

ہو۔''

پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کھڑکی بند کرتے ہوئے ربیعہ نے اس سے کہا تھا۔ مومل یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ''آئی ایم سوری میں نے سوچا نہیں تھا کہ میری خودکشی کا نتیجہ تم لوگوں کے لیے اتنا تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔ تم دونوں کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں اور میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ میں کل صبح دارالامان چلی جاؤں گی۔''

ربیعہ اس کی بات پر ایک بار پھر بھڑک اٹھی۔ ''وہاں جا کر کون سی امان مل جائے گی تمہیں؟ وہاں تو اس سے بھی بڑے درندے ہیں' وہاں کس کس سے بچو گی۔''

''تو میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟'' اس کی سسکیاں اور تیز ہو گئی تھیں۔

''مومل! تمہیں اپنی زندگی بچانے کا ایک موقع مل رہا ہے پھر اس کو کیوں گنوا رہی ہو۔ ہم تم سے یہ تو نہیں کہہ رہے کہ تم ساری عمر اس کے ساتھ بندھی رہنا۔ ہم تو وقتی طور پر اس سے شادی کا کہہ رہے ہیں کم از کم فی الحال تو یہ آدمی تمہارے تحفظ کا واحد ذریعہ ہے بعد میں تم اس سے طلاق بھی لے لو تو بھی کوئی تم پر اب کی طرح انگلی نہیں اٹھا سکے گا اور تمہارے بچے کو بھی اس کا نام ملے گا اور تم طلاق لیتے ہوئے اس کو چھوڑنا چاہو تو اس کے باپ کے پاس چھوڑ سکتی ہو۔ لیکن کم از کم فی الحال تو اپنے آپ کو اس مصیبت سے بچاؤ۔''

وہ بے بسی سے ان دونوں کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''اگر تمہیں ہم سے ذرا بھی محبت ہے تو تم ہماری بات مان لو۔'' فاطمہ نے بات کرتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

☆

دو دن بعد اسفند کے دوست کے فلیٹ پر اسفند کے ساتھ اس کا نکاح ہو گیا تھا۔ سارے انتظامات اسفند نے ہی کیے تھے۔ ربیعہ اور فاطمہ نکاح کے بعد شام تک اس کے پاس اسے تسلیاں دیتی رہیں۔ وہ خالی ذہن کے ساتھ ان کے چہرے دیکھتی رہی۔ شام کو وہ دونوں چلی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد وہ آیا تھا۔

''یہ فلیٹ کی چابیاں ہیں۔ رات کے کھانے کے لیے کچھ چیزیں لا کر میں نے کچن میں رکھ دی ہیں۔ فلیٹ میں تقریباً ہر چیز موجود ہے۔ اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو لسٹ بنا دینا۔ میں تمہیں کل لا دوں گا۔ میں اب جا رہا ہوں تم دروازہ لاک کر لو۔ میں صبح آؤں گا۔''

وہ اسے یہ ہدایت دے کر اس کا جواب سنے بغیر فلیٹ سے چلا گیا۔ اس نے فلیٹ کا دروازہ لاک کر لیا تھا۔ واپس بیڈ روم میں آ کر اس نے پہلے کی طرح گھٹنوں میں منہ چھپا لیا تھا۔ پچھلے چند ماہ ایک بار پھر اس کے دماغ کی اسکرین پر ابھرنے لگے تھے' ایک ایک بات' ایک ایک چہرہ۔ ایک ایک منظر جیسے اس کے ذہن پر نقش تھا۔ ''تمہیں زندگی میں کچھ نہیں ملنا چاہیے اسفند حسن! کچھ بھی نہیں۔ میری طرح خالی ہاتھ ہو جانا چاہیے تمہیں بھی۔ میری طرح ذلت اور رسوائی ملنی چاہیے تمہیں۔ میری طرح تمہارے سارے خوابوں کو دھواں بن جانا چاہیے۔ مجھے اپنی زندگی میں نہیں لائے تم

عذاب کو لائے ہو۔ میں تمہیں بتاؤں گی سب سے اوپر والی سیڑھی سے منہ کے بل گرنا کیسا لگتا ہے۔''

اسفند کے خلاف اس کے دل اور دماغ کا زہر بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ ساری رات کسی آگ کی طرح بھڑکتی رہی۔

وہ دوسرے دن صبح دس بجے آیا۔ اپنی چابی سے فلیٹ کا دروازہ کھول کر وہ کھانے کے کچھ ڈبے لیے اندر آیا۔ وہ اسی کے انتظار میں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے دونوں کی نظریں ملیں پھر وہ نظریں چراتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا۔

''تم نے اپنے پاس اس فلیٹ کی دوسری چابی کیوں رکھی ہے؟'' اس کے کچن سے باہر آتے ہی مومل نے تیز آواز میں اس سے پوچھا۔

وہ ٹھٹک گیا۔ حیرت سے اس نے مومل کا چہرہ دیکھا۔

''صرف اپنی سہولت کے لیے؟''

''لیکن میں نہیں چاہتی تمہارے پاس اس فلیٹ کی کوئی دوسری چابی ہو۔ میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتی ہوں۔'' مومل کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔

اسفند نے اس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔ کچھ دیر تک وہ کچھ بولنے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

''دیکھو مومل! میں......'' مومل نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اپنی گندی زبان سے میرا نام مت لو۔'' اسفند کا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا۔

''اگر میری زبان تمہیں گندی لگتی ہے اور میں تمہیں اس قدر ناپسند تھا تو پھر تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

''میں تمہیں ناپسند نہیں کرتی ہوں۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں اور یہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی' مجھے مجبور کیا گیا تھا۔ ورنہ میں وہ سب کچھ نہیں بھولی ہوں جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا۔''

وہ عجیب سے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر اس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔

''میں جانتا ہوں۔ تم نے وہ سب کچھ نہیں بھلایا ہوگا۔ وہ سب کچھ بھلانا اتنا آسان ہے بھی نہیں لیکن میں تم سے ایکسکیوز کرتا......''

''مجھے تمہارے ایکسکیوز کی ضرورت نہیں ہے اور مجھ سے آئندہ بھی کبھی ایکسکیوز مت کرنا۔'' مومل نے تیز آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔

''میں مانتا ہوں۔ میں نے ایسی غلطی......'' اس نے دوبارہ اس کی بات کاٹ دی۔

''وہ کوئی غلطی نہیں تھی۔ وہ تمہارا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔''

''نہیں۔ میں نے یہ سب صرف وقتی اشتعال میں آ کر کیا تھا اگر یہ سب غصے کی حالت میں نہ ہوا ہوتا تو تم تین دن وہاں رہی تھیں۔ میں دوبارہ بھی تمہارے پاس آتا لیکن میں نہیں آیا اگر میرا غصہ اس رات سے پہلے ختم ہو جاتا تو میں تمہیں اسی طرح واپس چھوڑ آتا۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں جو کسی عورت کی عزت نہ کرے لیکن میں نہیں جانتا۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ میں اس رات کے بعد سے ٹھیک سے سو نہیں پایا' تم مجھے جتنا بُرا سمجھ رہی ہو۔ میرا ضمیر مجھے اس سے زیادہ بُرا سمجھ رہا ہے۔ پھر بھی میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم مجھے معاف کر دو۔''

موحل کا دل چاہا تھا اس کے ہاتھ میں تیزاب کی بوتل ہو اور وہ اس کے چہرے کو اس سے مسخ کر دے۔ اب شکست خوردگی تھی۔ اس کے لہجے میں تب کیا تھا۔ اب ندامت تھی اور تب۔ تب فخر تھا۔ غرور تھا' اب سر جھکا ہوا تھا اور تب......

''تم اب ساری زندگی بھی میرے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے رہو تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں معاف کیا جائے۔ میری دعا ہے کہ تمہاری بیٹی ہو اور اس کے ساتھ بھی یہی سب کچھ......''

اسفند نے بہت تیز آواز میں اس کا جملہ کاٹ دیا۔ ''تم ایسی باتیں مت کرو۔ ایسا مت کہو۔''

''کیوں نہ کہوں۔ میں کہوں گی۔ ایک بار نہیں ہزار بار کہوں گی۔ کیا کر لو گے تم؟ بتاؤ کیا کرو گے تم؟ بولو کیا کرو گے؟''

وہ یک دم چلانے لگی تھی۔ اسفند نے بے بسی سے اسے دیکھا پھر سامنے پڑی ٹیبل پر فلیٹ کی چابی پھینکتے ہوئے تیزی سے فلیٹ سے چلا گیا۔

☆

اس دن کے بعد دوبارہ دونوں میں بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہر روز چند منٹوں کے لیے وہاں آتا اور ضرورت کی چیزیں چھوڑ کر چلا جاتا موحل سارا دن اس فلیٹ میں بند رہتی۔ فاطمہ اور ربیعہ روزانہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے لیے اس کے پاس آتی تھیں اور وہ وقت بجلی کی چمک کی طرح گزر جاتا پھر باقی سارا وقت وہ پنجرے میں بند جانور کی طرح بیڈ روم' بالکونی' لاؤنج اور کچن کے چکروں میں گزارتی۔ اسے اپنا گھر اور لوگ بے تحاشا یاد آتے۔ اسے یاد آتا۔ اس کے بھائی کس طرح اس کے ناز اٹھایا کرتے تھے کس طرح اس کی چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو پورا کرتے تھے۔ اور ہر یاد جیسے اس کا گلا دبانے لگتی تھی۔ اس کا دم گھٹنے لگتا۔ اسے اپنے بھتیجے' بھتیجیوں کے قہقہے یاد آتے اسے ان کی شرارتیں اور شوخیاں یاد آتیں اور وہ کئی کئی گھنٹے سر ہاتھوں میں پکڑے اپنے گال بھگوتی رہتی۔

''اور اس سب کا ذمہ دار یہی ایک شخص ہے۔ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔''

وہ سوچتی اور سفند کے لیے اس کے دل میں زہر بڑھتا جا رہا تھا۔

اسفند بہت دنوں تک اپنے ماں باپ سے یہ خبر نہیں چھپا سکا تھا کسی نہ کسی طرح یہ خبر اس کی فیملی تک پہنچ ہی گئی تھی۔ پہلے پہل تو اس کے والدین نے اس خبر پر دھیان نہیں دیا اور اسے صرف ایک افواہ سمجھی کیونکہ اسفند کی منگنی چند سال پہلے ہی اس کی اپنی پسند سے اس کی چچازاد سے ہوئی تھی۔ دونوں شروع سے ہی اکٹھے پڑھتے رہے تھے اور یہ باہمی انڈر اسٹینڈنگ بعد میں محبت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ گریجویشن کے بعد اسفند نے نوشین کے بارے میں اپنے والدین کو آگاہ کر دیا تھا اور انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب یک دم ان عجیب قسم کی خبروں نے حسن علی کو کافی پریشان کر دیا تھا۔ انہوں نے ڈائریکٹ اسفند سے بات کرنی مناسب سمجھی۔ وہ دو بہنوں اور تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور ماں اور باپ دونوں کے کافی قریب تھا یہی وجہ تھی کہ حسن علی نے اس معاملے پر اس سے بات کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا تھا۔ اور اس وقت انہیں شاید زندگی کا سب سے بڑا جھٹکا لگا تھا جب اسفند نے ان کے استفسار پر انکار یا تردید کرنے کے بجائے اپنی شادی کا اعتراف کر لیا تھا۔ حسن علی کو جیسے

اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا مگر جب انہیں یقین آیا تو وہ جیسے آگ بگولہ ہو گئے تھے۔

''اگر تمہیں اس طرح کا کارنامہ کرنا تھا تو تمہیں نوشین سے منگنی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''آپ نوشین سے میری منگنی ختم کر دیں۔ اس شادی کے بعد اب کسی اور رشتہ کی گنجائش نہیں رہی۔''

''تم کون ہوتے ہو یہ کہنے والے' تم منگنی کہیں اور کرو شادی کہیں اور۔ لیکن اگر تم اس فیملی میں رہنا چاہتے ہو تو کل شام تک اچھی طرح سوچ لو اور اس لڑکی کو طلاق دے دو۔''

حسن علی نے چند لمحوں میں اپنا فیصلہ سنایا تھا اور اٹھ کر چلے گئے تھے۔

دوسرے دن شام کو انہوں نے پھر اسفند کو بلوایا۔ ''پھر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟'' انہوں نے اس کے بیٹھتے ہی پوچھا۔

''پاپا! آپ جانتے ہیں۔ میں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں سر جھکائے ہوئے کہہ دیا۔ حسن علی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''تمہارے سامنے صرف دو راستے ہیں۔ سامنے ٹیبل پر طلاق کے کاغذات پڑے ہیں اور ایک بلینک چیک ہے۔ پیپرز پر سائن کر دو اور چیک میں جتنی رقم چاہے بھرو اور اس لڑکی کو بھیج دو اور دوسرا راستہ ہے یہ کہ تم اس گھر سے چلے جاؤ۔''

اسفند ستے ہوئے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتا رہا پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''پاپا! میں دوسرا راستہ اختیار کروں گا۔'' وہ کمرے سے جانے لگا۔

''اسفی! احمق مت بنو۔ ایک دفعہ پھر سوچو۔'' اس کی ممی نے اسے جاتے ہوئے روکا۔

ممی! میں اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتا۔ وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے۔ تم فیصلہ نہیں بدلو گے تو مت بدلو لیکن پھر اس گھر سے کچھ بھی لے کر مت جانا۔ اسی طرح جاؤ اور جس فلیٹ میں تم نے اس لڑکی کو رکھا ہوا ہے۔ وہ میں آج تمہارے دوست کے باپ سے خرید چکا ہوں۔ کل تک اسے خالی کر دو۔ اپنی عیاشیوں کے لیے خود روپیہ کماؤ میری کمائی تم ان لڑکیوں پر نہیں اڑا سکتے۔''

وہ چند لمحے زرد چہرے کے ساتھ باپ کو دیکھتا رہا پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے دروازے کے طرف بڑھ گیا۔

''میری آفر ابھی بھی وہیں ہے۔ تم جب چاہو اس لڑکی کو طلاق دے کر واپس آ سکتے ہو تمہیں ہر چیز مل جائے گی۔''

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ بالکل خالی الذہنی کے عالم میں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' وہ کیا کرے۔ کس کی مدد مانگے۔ اسے اپنے ماں باپ پر غصہ آیا تھا۔ یہ سب اس کے لیے خلاف توقع نہیں تھا مگر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ اس کی شادی کی خبر اس کے باپ تک اتنی جلدی پہنچ جائے گی۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے اپنے سارے ڈاکومنٹس نکالے اور پھر اپنے گھر سے نکل آیا۔ اس نے ایک پی سی او سے راشد کو فون کیا۔

''سوری اسفند! میں نہیں جانتا۔ ڈیڈی کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں نے فلیٹ تمہیں دے رکھا ہے اور وہاں تمہاری بیوی رہتی ہے میرا خیال ہے یہ ساری انفارمیشن حسن انکل نے ڈیڈی کو دی ہے۔ اب ڈیڈی نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ایک دن کے اندر اندر تم سے یہ فلیٹ خالی کروا لوں۔

میں نے ایک آدمی سے بات کی ہے۔اس کے کچھ فلیٹس ہیں جنہیں وہ کرائے پر دیتا ہے۔وہ لگژری فلیٹ تو نہیں ہیں لیکن بہرحال اتنے برے بھی نہیں ہیں۔تم دونوں کے لیے کافی ہے۔میں نے اسے تین ماہ کا کرایہ دے دیا ہے لیکن تم کسی دوسرے دوست کو اس فلیٹ کا اتا پتا نہ دینا اگر پھر کہیں حسن انکل تک بات پہنچ گئی تو وہ یہ فلیٹ بھی خالی کروانے کی کوشش کریں گے اور تمہارے لیے بہت سے مسئلے پیدا ہو جائیں گے۔میں کل صبح تمہارے فلیٹ پر آؤں گا اور تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔''

اسفند نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆

اس شام جب وہ فلیٹ پر آیا تو کافی پریشان تھا۔موحل اس وقت کھانا کھا رہی تھی۔وہ بے مقصد ادھر ادھر پھرتا رہا جب اس نے کھانا ختم کر لیا تو وہ اس کے پاس آیا۔

''تم اپنی چیزیں پیک کر لو ہم صبح یہ فلیٹ چھوڑ دیں گے۔''

موحل نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا مگر کچھ پوچھا نہیں۔

''کل ہم ایک دوسرے فلیٹ میں شفٹ ہو جائیں گے۔میں تم پر کچھ باتیں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔میرے والدین کو میری شادی کا پتا چل گیا ہے اور میں نے گھر چھوڑ دیا ہے یا یہ سمجھ لو کہ انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔میرے پاس اب صرف چند ہزار روپے ہیں اور وہ بہت عرصہ نہیں چلیں گے جب تک میرے پاس روپیہ تھا۔میں نے تمہیں ہر آسائش دینے کی کوشش کی۔اب میرے پاس روپیہ نہیں ہے اس لیے میں تمہیں پہلے کی طرح سہولیات فراہم نہیں کر سکوں گا۔لیکن پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ تمہیں کسی چیز کی کمی نہ ہو بہرحال تمہیں کچھ بُرا وقت گزارنا پڑے گا۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر وہ کسی ردعمل کے بغیر ڈائننگ ٹیبل سے برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔وہ بے دلی سے وہ سامان پیک کرنے لگا جو وہ وقتاً فوقتاً خرید کر لاتا رہا تھا۔

اگلی صبح وہ راشد کے ساتھ نیا فلیٹ دیکھنے گیا۔دو کمروں' کچن' باتھ روم اور ٹیرس پر مشتمل وہ فلیٹ اس کے لیے کافی تھا۔یہ فلیٹ پہلے فلیٹ کی طرح فرنشڈ نہیں تھا لیکن کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا۔دوپہر تک وہ اپنا تھوڑا بہت سامان نئے فلیٹ میں منتقل کر چکا تھا۔اپنے والٹ میں موجود رقم سے اس نے ضرورت کی کچھ اور بنیادی چیزیں خریدیں پھر وہ راشد کی گاڑی میں موحل کو نئی جگہ لے آیا تھا۔وہ خود ہی اس تھوڑے بہت سامان کو فلیٹ میں سیٹ کرتا رہا۔موحل کسی تماشائی کی طرح اس کی سرگرمیاں دیکھتی رہی۔اسفند کے چہرے کی سنجیدگی اور پریشانی اسے ایک عجیب سا سکون پہنچا رہی تھی۔

''اسفند حسن! اب......اب تمہیں احساس ہوگا کہ اپنوں سے کٹ کر رہنا کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔یہ جانتے ہوئے زندگی گزارنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کل تک جو آپ کے لیے جان دینے پر تیار تھے وہ آج آپ کو دیکھنا تک نہیں چاہتے۔''

رات کو وہ بیڈ روم میں سونے کے لیے چلی گئی اور وہ خالی ڈرائنگ روم میں اپنے خریدے ہوئے میٹرس کو بچھا کر اس پر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں دور دور تک نیند نہیں تھی۔ آنکھیں کھولے وہ اندھیرے میں کمرے کی چھت دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

''تم نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟ اس طرح مجھے بے وقوف کیوں بنایا۔ میں ہمیشہ ہر معاملے میں تمہارے ساتھ فیئر رہی ہوں پھر تم نے اسفند! تم نے میرے ساتھ اس طرح کیوں کیا۔'' اس کے کانوں میں کسی کی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔

دو دن پہلے نوشین نے اسے فون کیا تھا۔ شاید ممی نے اسے فون کر کے اس کے اعتراف کے بارے میں بتایا تھا۔

''تم ایسے نہیں تھے اسفند! تم تو کبھی بھی ایسے نہیں تھے۔'' وہ بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہاں پہلے نہیں تھا' اب ہو گیا ہوں۔ نوشین! تم مجھے معاف کر دو اور آئندہ...... آئندہ کبھی میرے ساتھ کوئی رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہارے قابل نہیں رہا ہوں۔ تمہیں مجھ سے بہت بہتر' بہت اچھے انسان مل سکتے ہیں۔ میرے جیسا تھرڈ ریٹ اور تھرڈ کلاس شخص تمہارے لائق نہیں تھا۔'' اس نے اسے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

پھر بہت دیر تک فون کی بیل بجتی رہی لیکن اس نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ پھر وہ اس کے گھر آئی تھی لیکن وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلا۔ وہ بہت دیر تک اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتی رہی اور وہ کسی پتھر کے مجسمے کی طرح راکنگ چیئر پر جھولتا رہا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے اپنا چہرہ دکھاتا۔ اس کے سامنے آتا۔ اس سے بات کرتا۔ وہ مایوس ہو کر روتی ہوئی چلی گئی تھی۔ وہ ساری رات اپنے اور نوشین کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کا چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آتا رہا۔ اس کی باتیں بار بار اس کے ذہن میں گونجتی رہیں۔

''ہر شخص کو اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ میری غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ مجھے تم نہ ملو۔ میں ساری زندگی اس چیز کے بغیر رہوں جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔''

اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے سوچا۔

☆

اگلے چند دنوں میں اس نے ایک نائٹ کالج میں جاب ڈھونڈ لی۔ چند ہفتے اس نے وہاں کام کیا اور پھر اس کے پیپرز شروع ہو گئے۔ وہ تین ہفتے پیپرز میں مصروف رہا۔ پیپرز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ایک بار پھر مختلف جگہوں پر جابز ڈھونڈنی شروع کر دیں۔ اپنے دوستوں کے ذریعے سے وہ جہاں بھی جاب ڈھونڈتا' وہاں سے بہت جلد حسن علی اسے فارغ کروا دیتے۔ اس نے تنگ آ کر دوستوں کی مدد لینا چھوڑ دیا۔ ایک پارٹ ٹائم جاب اسے راشد نے دلوائی ہوئی تھی۔ ایک اکیڈمی کے ذریعے اس نے کچھ ٹیوشنز حاصل کر لیں اور رات کو وہ اسی نائٹ کالج میں پڑھاتا تھا لیکن پھر بھی وہ مطمئن نہیں تھا۔ یہ سب کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔

اسے ہر ماہ تقریباً آٹھ دس ہزار مل جاتے تھے۔ لیکن فلیٹ کا کرایہ' بل اور دوسرے اخراجات نکال کر اس کے پاس صرف ایک دو ہزار بچتا تھا اور یہ رقم کافی نہیں تھی۔ پہلی بار اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ روپیہ کمانا کتنا مشکل کام ہے۔ اس نے بچپن اور جوانی دونوں آسائشوں میں گزاری تھی۔ جتنی رقم

اب اسے کمانے کے لیے رات دس بجے تک کام کرنا پڑتا تھا۔ اس سے دوگنی رقم حسن علی اسے ہر ماہ جیب خرچ کے طور پر دیتے تھے پھر بھی اس کے اخراجات پورے نہ ہوتے اور وہ وقتاً فوقتاً ان سے مزید رقم لیتا رہتا تھا۔

حسن علی ایک نامور صنعت کار تھے اور چیمبر آف کامرس کا صدر ہونے کی وجہ سے ان کی بے تحاشا مصروفیات تھیں لیکن اپنے بزنس میں بے حد مصروف رہنے کے باوجود انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر ہمیشہ بہت توجہ دی تھی اور یہی حال عنبرین حسن کا تھا۔ جو شادی سے پہلے ایک کالج میں لیکچرر تھیں لیکن شادی کے بعد انہوں نے اپنی جاب چھوڑ کر پوری توجہ بچوں پر دی تھی۔ انہوں نے کبھی بچوں پر بے جا پابندیاں نہیں لگائیں اور نہ ہی ان پر کیریئر کے انتخاب کے سلسلے میں دباؤ ڈالا۔

اسفند کے سب سے بڑے بھائی نے اپنی مرضی سے باپ کے ساتھ بزنس سنبھالنا شروع کر دیا تھا لیکن اسفند کا دوسرا بھائی میڈیکل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سول سروس میں چلا گیا تھا اور یہی کام اسفند نے کیا تھا۔ اکنامکس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے بھی باپ کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانے کی بجائے سول سروس میں جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کی بڑی بہنوں میں سے بھی دو ڈاکٹر تھیں اور ایک کسی بینک میں کام کرتی تھی۔

اسفند اور اس کی ایک بہن کے علاوہ باقی سب شادی شدہ تھے اور اب جیسے اسفند کا ایک قدم اسے زندگی کے سب سے بڑے بحران میں لے آیا تھا۔ وہ اپنی پوری فیملی کا چہیتا تھا لیکن اس پیار محبت نے اسے بگاڑا نہیں تھا۔ اس کی زندگی بہت سکون سے گزر رہی تھی اور پھر یک دم جیسے اسپیڈ بریکر آ گیا تھا۔ اس کا تھوڑا سا غصہ اسے آسمان سے زمین پر لے آیا تھا اور اب...... اب وہ کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔

مومل نے خود بھی کبھی ان حالات میں رہنے کا تصور نہیں کیا تھا اس کی فیملی مالی لحاظ سے اسفند حسن کے مقابل نہیں آ سکتی تھی لیکن وہ کوئی عام سے لوگ بھی نہیں تھے۔ اس کے دونوں بھائی انجینئر تھے اور اس کا بڑا بھائی ایل ڈی اے میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ زندگی کی ہر سہولت اسے دستیاب تھی اور اب وہ جس فلیٹ میں رہ رہی تھی۔ اس میں برائے نام فرنیچر تھا۔ آسائشات تو بہت دور کی بات تھی۔

دونوں کے تعلقات میں وقت گزرنے کے ساتھ بھی کوئی بہتری نہیں آئی تھی۔ مومل اسفند کا کوئی کام نہیں کرتی تھی جو واحد عنایت وہ کرتی تھی، وہ یہ تھی کہ وہ کھانا تھوڑا زیادہ پکا لیا کرتی تھی اور اسفند کے لیے اتنا بھی بہت تھا۔ وہ صبح گھر سے نکلتا اور پھر رات گئے واپس آتا۔

مومل سارا دن گھر میں بند رہتی۔ اس نے آس پاس کے فلیٹ والوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی ان کے گھر آئے۔ ان کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کرے۔ جوں جوں ڈلیوری کے دن قریب آ رہے تھے۔ اسفند سے اس کی نفرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسے یہ سوچ کر وحشت ہو رہی تھی کہ وہ اپنے بچے کو کیسے دیکھے گی۔ کیسے چھوئے گی۔ کیسے قبول کرے گی۔ بعض دفعہ اسے یہ سوچ کر گھن آنے لگتی کہ اس نے اس شخص سے شادی کرنا کیسے قبول کیا ہے جس نے اس کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ فاطمہ اور ربیعہ اب بھی اس کے پاس آتی تھیں مگر اب ان کی آمد و رفت میں کچھ وقفہ آ گیا تھا۔ وہ دونوں ہر بار اسے ماضی بھول جانے کی تلقین کرتیں اور وہ آگ بگولا ہو جاتی۔

اس دن وہ آفس میں تھا جب ربیعہ نے اسے فون کر کے ہاسپٹل بلوایا تھا۔ اور جب ہاسپٹل پہنچا تو اسے بیٹی کی پیدائش کی اطلاع ملی تھی وہ بڑے عجیب سے احساسات سے دوچار ہوا تھا۔

''موبل کیسی ہے؟''اس نے فاطمہ سے پوچھا۔

''وہ ٹھیک ہے۔''اسے فاطمہ کا لہجہ کچھ بجھا بجھا سا لگا پھر وہ بل ادا کرنے کے لیے ڈاکٹر کے پاس گیا تھا اور ڈاکٹر نے اسے بٹھا لیا۔

''میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ آپ کی طرف سے آپ کی مسز پر کیا بیٹے کے لیے کوئی دباؤ تھا؟''

اسفند نے حیرانی سے ڈاکٹر کو دیکھا۔''بالکل بھی نہیں۔ آپ کو یہ کس نے کہا ہے؟''

''تو پھر آپ کی مسز اس قدر رو کیوں رہی ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو دیکھنے اور اسے فیڈ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ ہم نے انہیں سکون آور انجکشن لگا کر سلایا ہے ورنہ ان کی حالت اس طرح رونے سے زیادہ خراب ہو جاتی۔''

وہ لیڈی ڈاکٹر کی بات پر ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''اگر آپ کی طرف سے ان پر کوئی دباؤ نہیں تھا تو پھر انہیں کیا ہوا ہے؟''ڈاکٹر الجھ گئی تھی۔

''ہو سکتا ہے۔ انہیں خود ہی بیٹے کی خواہش ہو اور اس وجہ سے بیٹی کی پیدائش پر انہیں صدمہ پہنچا ہو بہر حال میری طرف سے ان پر کوئی پریشر نہیں تھا۔''

اس نے بہانا بنا کر ڈاکٹر کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر پتا نہیں مطمئن ہوئی یا نہیں لیکن اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ ڈاکٹر کے آفس سے نکل آیا۔

''اسفند! تم اپنی بیٹی کو نہیں دیکھو گے؟''ربیعہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

اس نے ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔ انکوبیٹر میں اس نے پہلی بار اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھا اور پھر نرس نے اس کی بیٹی کو اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

''آپ کی بیٹی بہت خوبصورت ہے۔ آپ کو دیکھ کر سوچ رہی ہوں۔ اسے تو خوبصورت ہونا ہی تھا۔''اس نے نرس کو کہتے سنا۔ وہ بہت غور سے اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اور پھر اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ اس نے اپنے کپکپاتے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ بہت نرمی سے اس کا ماتھا چوم کر اس نے اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ کسمسانے لگی۔

نرس نے آگے بڑھ کر اس کی بیٹی کو لے لیا۔ پھر ربیعہ اور فاطمہ کے ساتھ وہ موبل کے پاس بھی گیا۔ وہ نیند آور ادویات کے زیر اثر سو رہی تھی۔ ورنہ اسے سامنے دیکھ کر وہ پھٹ پڑتی۔ وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر واپس آ گیا تھا۔

موبل بہت زیادہ دن بچی سے نفرت نہیں کر پائی۔ تیسرے دن اس نے روتے ہوئے اسے گود میں لے لیا تھا۔ اس کے دل میں اسفند کے لیے نفرت تھی لیکن اپنی بیٹی کے لیے نفرت نہیں رہ پائی۔ ربیعہ اور فاطمہ کی طرح اسفند نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔ چند دن ہاسپٹل میں رہ کر وہ گھر آ گئی تھی اور اسفند کیلئے اس کے تیور پہلے سے بھی زیادہ بگڑے ہوئے تھے۔ وہ بات بے بات اس سے الجھ پڑتی اور بعض دفعہ جب وہ زاشی کو اٹھانے لگتا تو وہ اسے ہاتھ لگانے نہ دیتی۔ اس کا رویہ اسفند کی سمجھ سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ بعض دفعہ اس کا دل چاہتا کہ وہ خودکشی کر لے۔ وہ صرف اسے آرام و

آسائش دینے کیلئے رات گئے تک کسی جانور کی طرح کام کرتا رہتا تھا اور وہ پھر بھی اسے معاف کرنے پر تیار نہیں تھی۔ وہ پھر بھی خوش نہیں تھی۔

انہیں دنوں اس کا سی ایس ایس کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا اور وہ ساتویں پوزیشن لے کر کامیاب ہوا تھا۔ ایک سال میں یہ پہلی خوش خبری تھی جو اسے ملی تھی پچھلے سال میں کی گئی ساری محنت، ساری ذلت اسے بھول گئی تھی۔ وہ بے حد پُر سکون اور مطمئن تھا اور اس اطمینان اور سکون نے مومل کے وجود میں ایک آگ بھڑکا دی تھی۔ ربیعہ اور فاطمہ نے گھر آ کر اسے مبارک باد دی تھی اور وہ طیش میں آ گئی تھی۔

''مجھے اس کی کامیابی کی کوئی خوشی نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ ناکام ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی۔''

''مومل! فضول باتیں مت کرو۔ کیا تم خوش نہیں ہو کہ اب تم بھی ایک اچھی زندگی گزار سکو گی، معاشرے میں تم لوگوں کا کوئی مقام ہوگا تمہاری بیٹی کو ساری آسائشات ملیں گی۔'' ربیعہ نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔

''بھاڑ میں جائیں یہ آسائشیں۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے خوش حال زندگی نہیں چاہیے۔ مجھے ان سب آسائشات سے نفرت ہے جو مجھے اس کے طفیل ملیں گی۔''

''مومل! تم سب کچھ بھول کیوں نہیں جاتیں؟'' فاطمہ نے اس سے کہا تھا۔

''اگر یہ سب تمہارے ساتھ ہوتا تو کیا تم بھول جاتیں؟''

''بھولنے کی کوشش ضرور کرتی۔ فاطمہ نے نظریں چراتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔''

''لیکن میں کبھی بھولنے کی کوشش بھی نہیں کروں گی۔ میں سب کچھ یاد رکھوں گی اور اسے بھی یاد دلاتی رہوں گی۔''

''تم اپنی زندگی جہنم بنا لوگی۔''

''کیا اب یہ زندگی جہنم نہیں ہے۔'' ربیعہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ سننے، کچھ سمجھنے پر تیار ہی نہیں تھی۔

☆

''حسن انکل تم سے بات کرنا چاہتے ہیں؟'' اس دن راشد نے اسفند کو آفس فون کر کے بتایا تھا۔

''کیوں؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔ بس انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے رابطہ کر کے ان کا پیغام تم تک پہنچا دوں۔''

''ٹھیک ہے میں کل شام کو گھر جاؤں گا۔'' اس نے راشد کو مطلع کیا تھا۔

دوسرے دن وہ شام کو چھ ماہ کے بعد گھر گیا تھا۔ سب اس سے بڑی گرم جوشی سے ملے تھے سوائے حسن علی کے۔

''تو تم نے سی ایس ایس کوالیفائی کر لیا ہے؟'' اسے دیکھتے ہی انہوں نے سگار سلگاتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا۔

''اور اب تمہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ تم میرے محتاج نہیں رہے اور میرے بغیر بھی آرام سے زندگی گزار سکتے ہو۔'' ان کا لہجہ بہت سرد تھا۔ وہ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

''تم نے اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی کی ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے پھر تم جاؤ۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''پاپا! میری ایک بیٹی ہے۔ کیا میں خود کو ٹھوکروں سے بچانے کے لیے اسے دھکے کھانے کے لیے چھوڑ دوں۔''

''ہاں۔ اسے بھی چھوڑ دو۔ ایسے رشتوں کی ہمارے خاندان میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی نہ ہی ایسی اولادیں قبول کی جاتی ہیں۔ تم اس کی ماں کو کچھ روپیہ دے دینا' وہ خود ہی اسے پال لے گی۔'' انہوں نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔

''نہیں۔ میں اپنی بیٹی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بات اگر صرف ضد کی ہے تو ٹھیک ہے پھر آپ کو جو کرنا ہے کر لیں لیکن میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔''

وہ تلخ لہجے میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

☆

پھر وہ ٹریننگ کے لیے اکیڈمی چلا گیا تھا۔ ہر ہفتہ ویک اینڈ پر وہ آتا اور زاشی کو اٹھائے رکھتا۔ موبل زاشی کے لیے اس کے اس التفات پر جیسے جھلس جاتی تھی۔ اسفند کی موجودگی میں زاشی اگر رونے لگتی تو وہ اسے بُری طرح پیٹتی۔ اسفند اسے روکنے کے بجائے خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہتا اور جب وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال چکی ہوتی تو وہ روتی ہوئی زاشی کو اٹھاتا اور باہر لے جاتا۔ اور جب وہ کچھ دیر بعد اسے واپس لے کر آتا تو زاشی اپنے ہاتھوں میں کھانے پینے کی کوئی چیز پکڑے اس کی گود میں کھلکھلا رہی ہوتی۔ اور اس کی یہ ہنسی موبل کو زہر لگتی۔

زاشی سے اس کا یہ سلوک اسفند کو دلبرداشتہ کر دیتا تھا۔ وہ جب بھی اسے مارتی تھی۔ ساتھ بلند آواز میں بولتی اور طعنے دیتی۔ اسفند جانتا

تھا۔ وہ یہ سب اسے سناتی ہے ورنہ ڈیڑھ سال کی وہ بچی کیا سمجھ سکتی ہے۔ اس کی ہزار معذرتیں بھی مومل کے دل کو صاف نہیں کرسکی تھیں۔ وہ اکیڈمی واپس جانے کے بعد یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہتا کہ جب مومل اس کے سامنے زاشی کو بخشنے پر تیار نہیں ہوتی تھی تو اس کے پیچھے تو پتا نہیں وہ اس کا کیا حشر کردیتی ہوگی۔

یہی وجہ تھی کہ وہ جب ویک اینڈ پر واپس گھر آتا تو سارا وقت زاشی کو لپٹائے رکھتا۔ اسے سیر کے لیے باہر لے کر جاتا۔ اس کے لیے کھلونے لاتا۔ اس کے ساتھ کھیلتا۔ وہ جیسے ایک دن میں پورے ہفتے کی تلافی کردینا چاہتا تھا۔

زاشی بھی مومل کے بجائے اسفند سے زیادہ مانوس ہوگئی تھی اسے باپ کا لمس زیادہ پسند تھا۔ وہ جب ویک اینڈ پر گھر آتا تو وہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگتی یوں جیسے اس نے اسفند کو پہچان لیا ہو۔ اس کی زبان سے ادا ہونے والا پہلا لفظ بھی پاپا ہی تھا۔ اسفند کی غیر موجودگی میں زاشی کے ساتھ مومل کا سلوک بہت اچھا ہوتا تھا۔ وہ اسے گود میں اٹھائے رکھتی اور بعض دفعہ بے اختیار ہو کر اسے چوم لیتی۔ وہ تھی ہی اتنی خوبصورت کہ اس پر بے اختیار پیار آتا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے سارے نقوش لیے تھے۔ وہی تیکھی ناک' ڈارک براؤن آنکھیں' لمبی خم دار پلکیں' باریک ہونٹ اور سیاہ گھنے چمکدار بال جس میں اسفند کی طرح بعض جگہوں پر براؤن بالوں کے گچھے بھی تھے۔ وہ اسفند سے اس قدر مشابہہ تھی کہ اس کی گردن پر بھی اسی جگہ تل تھا جس جگہ اسفند کا تل تھا۔ بعض دفعہ اس کی یہ مشابہت مومل کو بہت تکلیف پہنچاتی تھی۔

☆

اسفند اب اپنے ماں باپ سے بھی ملنے جانے لگا تھا۔ مومل کو طلاق دینے کے لیے ابھی بھی اس پر دباؤ موجود تھا اور اس دباؤ کی بنیادی وجہ نوشین تھی جو کہیں اور شادی کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ لیکن وہ اپنی بات پر قائم تھا وہ مومل اور زاشی کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ لیکن بہرحال حسن نے اپنی جائیداد سے دوسرے بچوں کی طرح اُس کا حصہ بھی اُسے دے دیا تھا پھر ان ہی دنوں خاندان میں ہونے والی ایک تقریب میں اس کی ملاقات نوشین سے ہوئی۔ اور یہ ملاقات دونوں کو پھر ایک دوسرے کے قریب لے آئی تھی۔ اگر وہ ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہا ہوتا تو شاید وہ اتنی جلدی نوشین کی طرف مائل نہ ہوتا لیکن جس طرح کی زندگی وہ مومل کے ساتھ گزار رہا تھا اور جس طرح وہ اس کے ہاتھوں تذلیل کا نشانہ بنتا تھا۔ اس نے اسفند کو ایک بار پھر نوشین کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ اس کی سوچ میں واضح تبدیلی آچکی تھی۔

وہ ویک اینڈ پر گھر گیا اور مومل کو بغور دیکھتا رہا۔ پہلی بار وہ اسے نوشین سے کمپیئر کررہا تھا اور ہر چیز میں نوشین کا پلہ بھاری تھا۔ وہ مومل سے زیادہ خوبصورت' زیادہ دولت مند' زیادہ تعلیم یافتہ تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اسفند سے بے تحاشا محبت کرتی تھی۔ مومل کا رویہ اب بھی اس کے ساتھ ویسا ہی تھا وہ اب بھی اس کا کوئی کام نہیں کرتی تھی نہ اسے مخاطب کرتی تھی۔ وہ پہلی بار اضطراب کا شکار ہوا تھا۔

''مومل کو میری ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرے ساتھ خوش نہیں ہے۔ جتنی محبت اور توجہ وہ زاشی کو دیتی ہے۔ اتنی تو نوشین بھی دے سکتی ہے۔ اس زبردستی کے رشتے کو قائم رکھنے کا کیا فائدہ ہے۔ مجھے اسے آزاد کردینا چاہیے۔ میں اسے اتنا روپیہ دے دوں گا کہ اسے کوئی مالی پریشانی نہیں ہوگی وہ آرام سے زندگی گزار سکتی ہے۔ اور میں...... میں نوشین کے ساتھ نئے سرے سے زندگی شروع کرسکتا ہوں۔''

وہ جتنا ان سوچوں کو دماغ سے نکالنے کی کوشش کرتا۔ وہ اسے اتنا ہی پریشان کرتیں۔ وہ اب جب بھی گھر آتا۔ ہر وقت مومل اور نوشین کا موازنہ کرتا رہتا اور پھر اس کا رویہ تبدیل ہوتا گیا تھا۔

مومل یہ جان چکی تھی کہ وہ دوبارہ اپنے والدین سے ملنے لگا ہے کیونکہ اب ایک بار پھر اس کے پاس ایک بہت مہنگی سی گاڑی تھی اور اس نے فلیٹ کو بھی فرنشڈ کروایا تھا لیکن اس کے ذہن میں یہ بات کہیں نہیں تھی کہ وہ اب اسے چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ انہیں دنوں ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد فاطمہ واپس اپنے والدین کے پاس چلی گئی تھی کیونکہ اس کی شادی طے ہوگئی تھی۔

فاطمہ کے جانے کے بعد ربیعہ کی آمد بھی کم ہوگئی تھی کیونکہ وہ اسپشلائزیشن کے لیے باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اس دفعہ وہ کافی دنوں بعد مومل کے پاس آئی تھی۔ اسفند بھی گھر آیا ہوا تھا۔ ربیعہ سے کچھ دیر تک بات چیت کرنے کے بعد وہ باہر چلا گیا تھا اور ربیعہ یک دم فکر مند نظر آنے لگی۔

''مومل! یہ اسفند کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا ہے؟'' اس نے مومل سے پوچھا۔

''کیا بدلا ہے اس میں؟'' مومل نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ربیعہ اس کی بات پر حیران ہوئی۔

''مومی! یہ تمہیں پتا ہونا چاہیے۔ تمہیں اس کی بیوی ہو کر یہ نہیں پتا کہ اس میں کیا تبدیلی آئی ہے اور میں یہاں پندرہ منٹ اس کے ساتھ بیٹھی ہوں تو مجھے پتا چل گیا ہے کہ وہ پہلے جیسا نہیں رہا۔''

''تو میں کیا کروں؟'' مومل نے ناگواری سے کہا تھا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''مومی! میں نے دو تین بار اسے کسی لڑکی کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔ میں نہیں جانتی وہ لڑکی کون ہے لیکن اسفند کا جو رویہ اس کے ساتھ نظر آتا ہے، وہ کوئی اطمینان بخش بات نہیں ہے۔ تم اس کی بیوی ہو تمہیں اس پر چیک رکھنا چاہیے۔''

''مجھے اس پر چیک رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی ہے کہ وہ کس کے ساتھ اور کیوں پھرتا ہے۔ میری طرف سے وہ جہنم میں جائے۔''

ربیعہ اس کی بات سن کر یک دم کھڑی ہوگئی۔

''ٹھیک ہے میرا کام تمہیں متنبہ کرنا تھا، میں نے کر دیا اگر تم جانتے بوجھتے نقصان اٹھانا چاہتی ہو تو میں کیا کر سکتی ہوں۔''

وہ خفگی کے عالم میں وہاں سے چلی آئی تھی۔ مومل پر اس کی باتوں یا خفگی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس نے اب بھی اسفند کے رویئے کو جانچنا شروع نہیں کیا تھا۔

اسفند پہلے ہی کی طرح فلیٹ پر آتا تھا لیکن اب وہ گھر پر اتنا دھیان نہیں دیتا تھا۔ پہلے وہ ہر بار آنے پر اس سے پوچھتا کہ کیا گھر میں کسی چیز کی ضرورت ہے یا بغیر پوچھے ہی کسی چیز کی کمی محسوس ہونے پر وہ چیز لے آتا لیکن اب وہ ایسا نہیں کرتا تھا۔ وہ بس ہر ماہ کچھ روپے بیڈ کی دراز میں رکھ دیتا۔ اب وہ گھر پر کھانا بھی نہیں کھاتا تھا۔ ہاں البتہ زاشی کے لیے اس کی محبت اور توجہ میں کمی نہیں آئی تھی۔ پھر انہیں دنوں اسے پہلی پوسٹنگ ملی اور

وہ اے ایس پی کے طور پر ملتان چلا گیا۔ جانے سے پہلے اس نے مومل سے صرف اتنا کہا۔

''اب شاید میں ہر ہفتے نہ آ سکوں اگر کوئی ایمرجنسی ہو تو تم اس نمبر پر راشد کو کال کر لینا۔''

ربیعہ کو اس کی پوسٹنگ کی خبر ملی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بار پھر اس کے پاس آئی۔

''وہ تمہیں ساتھ لے کر کیوں نہیں گیا؟۔ اس سے کہو کہ وہ تمہیں ساتھ لے کر جائے۔ اسے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ اسے وہاں گھر ملا ہوا ہے وہ اپنی بیوی اور بیٹی کو ساتھ کیوں نہیں رکھ سکتا۔ تم اس سے بات کرو۔''

وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

''ربیعہ! میں اس سے یہ نہیں کہہ سکتی۔ وہ خود ساتھ لے جائے تو ٹھیک ہے لیکن میں اس کی منتیں نہیں کروں گی۔'' مومل نے صاف انکار کر دیا۔

''تم بے وقوف ہو۔ اس کے لیے راہ ہموار کر رہی ہو۔ کون بیوی اس طرح شوہر کو دور بھیج دیتی ہے۔ ابھی تک اس کے پیروں میں زاشی کی محبت کی زنجیر تھی۔ اب وہ اس سے دور رہے گا تو یہ رشتہ بھی کمزور ہو جائے گا۔ تم سے تو خیر وہ پہلے ہی برگشتہ ہو چکا ہے۔ تم اس قدر احمق ہو کہ تم اس کی اس کمزوری کو بھی ختم کر رہی ہو۔''

مومل پہلی بار اس کی باتوں پر کچھ فکر مند ہوئی۔ ''تو میں کیا کروں؟۔''

''اب جب وہ آئے تو تم مجھے فون کر دینا۔ میں خود آ کر اس سے بات کروں گی۔''

مومل نے ربیعہ کی بات پر سر ہلا دیا۔

وہ ایک ماہ بعد آیا تھا اور مومل نے ربیعہ کو بلوا لیا تھا۔ تھوڑی دیر اس سے دوسری باتیں کرنے کے بعد ربیعہ نے اس سے ان دونوں کو ساتھ لے جانے کی بات کی وہ یک دم چپ ہو گیا۔

''ہاں لے جاؤں گا۔ ابھی تو میں خود ایڈجسٹ نہیں ہو پایا وہاں۔ پھر ویسے بھی ملتان میں گرمی بہت ہے۔ اور زاشی ایسے موسم میں نہیں رہ سکے گی۔'' اس نے جیسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''زاشی ہر جگہ ایڈجسٹ ہو جائے گی اگر وہاں تم ہو گے۔ تم جانتے ہو وہ تمہیں بہت مس کرتی ہے۔ تمہاری موجودگی اس کے لیے بہت اہم ہے۔''

''اچھا میں دیکھوں گا۔'' اس نے یہ کہہ کر بات بدل دی۔

ربیعہ جان گئی کہ وہ اب اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتا۔

دوسری صبح اسفند واپس چلا گیا تھا اور شام کے وقت ربیعہ ایک بار پھر آئی تھی۔

''مومی! میں ایک بات تم پر واضح کر دینا چاہتی ہوں، وہ تمہیں ساتھ لے جانے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ تمہیں ساتھ لے کر

جائے گا۔اور یہی بات میں تمہیں بہت عرصہ سے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔اب بھی وقت ہے اپنا رویہ بدلو۔شاید اس کے دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ پیدا ہو جائے۔''

مومل پہلی بار اس کی باتوں کے جواب میں خاموش رہی تھی اور اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

☆

اسفند میں آنے والی تبدیلی کا صحیح اندازہ اسے تب ہوا تھا جب وہ دوسری بار آیا تھا۔زاشی اور وہ دونوں بیڈروم میں تھے۔اس نے زاشی کے کپڑے تبدیل کیے تھے۔اسفند نہانے کے لیے باتھ روم میں گیا ہوا تھا۔وہ زاشی کے لیے کچھ چاکلیٹس لایا تھا اور وہ بار بار چاکلیٹس کھانے کی ضد کر رہی تھی۔مومل اسے چاکلیٹ نہیں دے رہی تھی کیونکہ وہ ایک بار پھر ہاتھ اور منہ گندا کر لیتی۔وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر چند منٹوں کے لیے کسی کام سے کچن میں گئی تھی اور جب وہ واپس آئی تو زاشی چاکلیٹ کھا رہی تھی' شاید اسفند نے اسے چاکلیٹ کھول کر تھما دیا تھا۔

مومل کو یک دم غصہ آیا اور اس نے زاشی کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے کر دور پھینک دیا۔اور پھر ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے ایک اور تھپڑ مارتی۔اسفند نے تیزی سے اس کا اٹھتا ہوا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''یہ تماشا کافی ہو چکا ہے۔اب اسے ختم ہو جانا چاہیے۔''اس کا لہجہ بہت سرد تھا۔

''میرا ہاتھ چھوڑو۔''

اس نے اس کا ہاتھ چھوڑنے میں ایک سیکنڈ نہیں لگایا۔

''تم آئندہ اس پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گی۔''

اس نے ایک بار پھر ایک چاکلیٹ کھول کر روتی ہوئی زاشی کو تھما دیا۔

مومل غم وغصے کے عالم میں اسے دیکھتی رہی پھر یک دم چیخ پڑی۔''تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟''

''میں اس کا باپ ہوں اور میں اب یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔ اب اس پر کوئی ہاتھ اٹھائے گا تو میں وہ ہاتھ توڑ دوں گا۔''

وہ اتنے تلخ لہجے میں بات کر رہا تھا کہ مومل کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ اس سے نظر ملائے بغیر بات کرتا تھا اور اب وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس کے مقابل کھڑا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر کمرے سے چلی گئی۔ اس رات اسے ربیعہ کی ساری باتیں یاد آئی تھیں۔

اگلے ماہ وہ گھر نہیں آیا اور پھر دو ماہ کے وقفہ کے بعد گھر آیا تھا۔ اس رات وہ حسب معمول زاشی کو اس کے پاس چھوڑ کر بیڈ روم میں جانے لگی تو اس نے کہا۔

''آج تم اسے بیڈ روم میں سلا دو اور اسے سلانے کے بعد یہاں آنا۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

وہ اس کے لہجے سے کچھ کھٹک گئی۔ زاشی کو سلانے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن اس کے سامنے جانے کے لیے ہمت پیدا کرنے میں اسے کافی وقت لگا۔ وہ جی کڑا کر کے بیڈ روم سے نکل آئی۔

اسفند نے خاموشی سے اسے آتے اور سامنے صوفے پر بیٹھتے دیکھا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' ایک لمحے کے لیے مومل کا سانس رک گیا۔

''اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے دوسری شادی کی اجازت دے دو اور اگر تم مجھے دوسری شادی کی اجازت نہیں دینا چاہتیں تو پھر میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور میرے خیال میں یہ بہتر ہے کہ تم مجھ سے طلاق لے لو۔ تمہیں مجھ سے نفرت ہے اور شاید تم حق بجانب ہو۔ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود تمہارے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا نہیں کر سکا۔ ایسے رشتہ کو قائم رکھنے کا فائدہ ہی کیا ہے۔ میں نے جب تم سے شادی کی تھی تو کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ کبھی مجھے تمہیں طلاق دینا پڑے گی۔ میں اس رشتہ کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا تھا لیکن تم مجھے معاف نہیں کر سکیں۔ تم اپنے دل میں اتنی وسعت پیدا نہیں کر سکیں۔ میں نے ایک چھوٹا سا گھر خرید کر تمہارے نام کر دیا ہے' یہ اس کے کاغذات ہیں۔ یہ بارہ لاکھ کا چیک ہے۔ دو لاکھ حق مہر کے ہیں اور دس لاکھ میں تمہیں اور دے رہا ہوں تاکہ تمہیں کوئی مالی پریشانی نہ ہو۔''

اس نے میز پر کچھ کاغذات رکھ دیئے۔

''جہاں تک زاشی کا تعلق ہے تو اگر تم یہ وعدہ کرو کہ تم اس سے محبت کرو گی اور اس پر پوری توجہ دو گی تو تم اسے اپنے پاس رکھ سکتی ہو۔ میں اس کا خرچ تمہیں بھجواتا رہوں گا۔ دوسری صورت میں' میں اسے اپنے پاس رکھ لوں گا۔ اور میرے خیال میں اس کے حق میں یہی بہتر ہے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ مانوس ہے۔ ویسے بھی اس کی موجودگی میں شاید تمہیں اپنی زندگی دوبارہ شروع کرنے میں کچھ مسئلہ ہو۔''

''اور اگر میں طلاق نہ لوں تو؟'' مومل کو اپنی آواز کسی اندھے کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

''تب بھی صورت حال میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئے گی۔ بس یہ ہو گا کہ میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا لیکن میں پہلے کی طرح یہاں نہیں آؤں گا اور مجھے اپنے والدین سے یہ بات چھپانی پڑے گی کہ میں نے تمہیں طلاق نہیں دی۔ بہر حال آخری فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے تم صبح ربیعہ کو بلوا لو

اور اس کے ساتھ مشورہ کرلو۔''

مومل وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ مومل کو اسفند سے نفرت تھی لیکن پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس سے علیحدگی اختیار کر کے وہ ایک بار پھر آسمان سے زمین پر آ گرے گی۔ اسے اپنی حماقتوں کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

دوسری صبح اس نے فون کر کے ربیعہ کو بلوایا۔ ربیعہ جس وقت آئی اس وقت اسفند ناشتہ کر رہا تھا اور وہ زاشی کو ناشتہ کروا رہی تھی۔ اسفند نے بڑی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا اور اسے ناشتہ کی آفر کی لیکن ربیعہ نے انکار کر دیا۔

''کیا بات ہے؟ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ کیا تم دونوں کا پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' اس نے مومل سے کچھ متفکر ہو کر پوچھا تھا۔

''نہیں' اب کوئی جھگڑا نہیں ہوگا کیونکہ میں اسے طلاق دے رہا ہوں اور دوسری شادی کر رہا ہوں۔''

ربیعہ کو اس کی بات پر جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ مومل کچھ کہے بغیر ستے ہوئے چہرے کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

''اسفند! تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟''

''تمہیں مجھ سے یہ پوچھنا چاہیے کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں بلکہ میری ہمت کی داد دینی چاہیے کہ میں نے اب تک ایسا کیوں نہیں کیا۔''

''اسفند! تم زاشی کے بارے میں سوچو' وہ......''

''میں نے اس کا سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ یہ طلاق اس کے لیے بھی بہتر رہے گی۔''

''اسفند! کیا تم مومل کو ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دو گے؟''

''میں اسے ٹھوکریں کھانے کے لیے نہیں چھوڑ رہا۔ میں اسے ایک گھر اور بارہ لاکھ روپے دے رہا ہوں اسے اور کچھ چاہیے تو وہ بھی دے دوں گا۔''

''وہ اکیلی کیسے رہے گی؟''

''وہ رہ لے گی۔ اسے اکیلے رہنا پسند ہے۔'' اس کے پاس جیسے ربیعہ کے ہر سوال کا جواب تھا۔

''ایسا مت کرو اسفند! اپنا گھر تباہ مت کرو۔'' ربیعہ نے لجاجت سے کہا تھا اور وہ یک دم جیسے پھٹ پڑا۔

''گھر......کون سا گھر؟ مجھے بتاؤ ربیعہ! کون سا گھر تباہ ہوگا۔ کیا یہ گھر ہے جو تمہیں نظر آ رہا ہے؟ یہ تو صرف رہنے کا ایک ٹھکانا ہے۔ میرا گھر تو وہ تھا جو میں نے آج سے چار سال پہلے ایک حماقت کی وجہ سے کھو دیا تھا۔ اب مجھے اپنا گھر ہی تو واپس حاصل کرنا ہے۔''

''اسفند! تم......'' ربیعہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اسفند نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میری بات سنو ربیعہ! آج صرف میری بات سنو۔ تم مومل کی دوست تو نہیں تھیں۔ صرف معمولی سی جان پہچان تھی پھر بھی تم نے صرف اس لیے اس کا ساتھ دیا کیونکہ تم اسے بے قصور سمجھتی تھیں آج تم انصاف کرو اور پھر اگر مجھے قصوروار پاؤ تو میرا ساتھ نہ دینا۔ میں نے دو سال میں یونیورسٹی میں جو عزت' جو نام حاصل کیا تھا وہ اس نے تھپڑ مار کر ختم کر دیا تھا۔ مجھے تکلیف نہ ہوتی اگر وہ الزام صحیح ہوتا جو اس نے مجھ پر لگایا تھا لیکن میری

کوئی غلطی نہیں تھی پھر بھی اس نے میری انسلٹ کی' دوسروں کے سامنے مجھے تماشا بنایا۔ جو کام میں نے کیا وہ غلط تھا۔ میں تب بھی کہتا تھا۔ آج بھی کہتا ہوں۔ میں اپنی اس حرکت کو کبھی صحیح نہیں کہوں گا۔ مگر وہ صرف جنون میں آ کر کیا تھا میں نے اور جب میرا غصہ ختم ہوا تو میرا پچھتاوا شروع ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے تم دونوں کے کہنے پر اس سے فوراً شادی کر لی تھی۔ تب میں نے تم سے یہی کہا تھا کہ میں نے اپنے بچے کے لیے شادی کی ہے۔ میں اس کی زندگی تباہ نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ سچ نہیں تھا۔ میں نے اپنے بچے کے لیے نہیں بلکہ اس کی زندگی بچانے کے لیے اس سے شادی کی تھی۔ میں نے ایک جرم کیا تھا اور میں اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری اس غلط حرکت کی وجہ سے اس کی پوری زندگی برباد ہو جائے۔ تب میری منگنی کو تین سال ہو چکے تھے نوشین سے بے تحاشا محبت کرنے کے باوجود میں نے اسے چھوڑ دیا' کیا یہ آسان کام تھا؟ پھر میرے والدین نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ میں نے زندگی میں کبھی پانی کا گلاس بھی اپنے ہاتھ سے نہیں لیا تھا لیکن اس کیلئے میں تین تین جابز کرتا رہا۔ خود دھکے کھاتا اور خوار ہوتا رہا لیکن میں نے اسے کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔

میں نے اسے ہر چیز مہیا کی' چاہے مجھے اس کے لیے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑی صرف اس لیے کیونکہ میں شرمندہ تھا۔ میں اپنی غلطی کی تلافی کرنا چاہتا تھا اور اس سب کے بدلے میں مجھے کیا ملا؟ ذلت' ذہنی اذیت' بے سکونی۔ ان چار سالوں میں اس نے میرے لیے کچھ نہیں کیا۔ کبھی میری شرٹ پر بٹن تک لگانے کی زحمت نہیں کی میں کب گھر آتا تھا۔ کب جاتا تھا۔ اسے کوئی پروا نہیں تھی۔

وہ معمولی باتوں پر مجھ سے جھگڑتی' زاشی کو مارتی۔ میں بے بسی سے دیکھتا رہا۔ میں نے اسے کبھی نہیں روکا۔ لیکن اب میں تھک چکا ہوں۔ میں بہت سزا کاٹ چکا ہوں۔ اب ایک نارمل زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک ایسی بیوی کی ضرورت ہے جو میرا خیال رکھے جسے میری پروا ہو جو مجھ سے محبت کرے جس کے ساتھ میں اپنی پرابلمز شیئر کر سکوں جو میری کامیابیوں پر خوش ہو جسے میری ضرورت ہو اور مومل یہ سب نہیں کر سکتی۔ میں نے نوشین سے زاشی کے بارے میں بات کی ہے وہ اسے ساتھ رکھنے پر تیار ہے اور میرے لیے اتنا کافی ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ ربیعہ کچھ بول نہیں سکی۔ وہ کیا کہتی یہ سب کچھ وہی تھا جس سے وہ وقتاً فوقتاً مومل کو روکتی رہی تھی۔

"مجھے تم سے اور تمہارے روپے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے صرف اپنی بیٹی چاہیے۔ مجھے زاشی چاہیے۔"

وہ پتا نہیں کس وقت بیڈروم سے باہر نکل آئی تھی۔ اس کا لہجہ ایک بار پھر پہلے ہی کی طرح اکھڑ تھا۔

"میں زاشی کو اسی صورت میں تمہیں دے سکتا ہوں جب تم میرے دیے ہوئے گھر میں رہو۔ تم اپنے لیے روپیہ لینا چاہتی ہو یا نہیں۔ وہ تمہاری مرضی ہے مگر میں زاشی کو تمہارے ساتھ دھکے کھانے کے لیے نہیں بھیج سکتا۔"

"میں جیسے چاہوں گی' اسے رکھوں گی' وہ میری بیٹی ہے۔"

"آج پہلی بار خیال آیا ہے کہ وہ تمہاری بیٹی ہے' اس سے پہلے تم نے کبھی یہ کیوں نہیں سوچا۔ اس سے پہلے تو تم ہمیشہ اسے مصیبت کہتی تھیں۔" وہ اس پر طنز کر رہا تھا۔

"میں تمہاری بکواس سننا نہیں چاہتی۔ میں جو چاہوں گی۔ کروں گی۔"

''مومل! اگر اس طرح ضد کرو گی تو تمہیں مجھ سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔''

''میں تمہاری ہر چیز پر لعنت بھیجتی ہوں لیکن زاشی میری ہے۔ میں وہ تمہیں نہیں دوں گی۔''

''تم اگر اس گھر میں رہو تو......''

''میں اس گھر میں نہیں رہوں گی۔'' وہ یک دم چلائی۔

''ٹھیک ہے پھر میں زاشی کو تمہیں نہیں دوں گا۔ میں نہیں چاہتا' وہ تمہارے ساتھ دھکے کھائے' تم اسے دے کیا سکتی ہو۔ تمہارے پاس کوئی جاب نہیں ہے اور اگر کوئی چھوٹی موٹی جاب کر بھی لو تو بھی ان دو چار ہزار سے تم کیا کرو گی۔ گھر اور دوسری چیزوں کے کرائے بھرو گی' خرچ چلاؤ گی یا زاشی پر خرچ کرو گی۔ اگلے سال وہ سکول جانا شروع کر دے گی اور تمہارے پاس ہے اتنا روپیہ کہ اسے کسی اچھے سکول میں داخل کروا سکو۔ مان لو مومل! تم اسے کچھ نہیں دے سکتیں۔ اسے میرے پاس رہنے دو۔ تم جب بھی اس سے ملنا چاہو گی۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں۔'' مومل یک دم اٹھ کر بیڈ روم میں چلی گئی۔ ربیعہ نے اس کے بہتے ہوئے آنسو دیکھ لیے تھے۔

''اسفند! میں مانتی ہوں۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ذرا سوچو۔ طلاق دے کر تم اس کے ساتھ زیادتی نہیں کر رہے؟۔ ایک طلاق یافتہ لڑکی کی معاشرے میں کیا عزت ہوتی ہے۔ تم جانتے ہو۔ مجھے بتاؤ۔ وہ کس طرح اکیلی رہے گی۔ تم اسے ایک موقع اور دو۔''

''نہیں ربیعہ! میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ میں اسے دس ہزار مواقع دوں تو بھی اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ تم خود دیکھ لو' کیا اسے کوئی پشیمانی یا شرمندگی ہے؟ اور ویسے بھی میں نوشین سے شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں۔''

''تو ٹھیک ہے۔ تم شادی کر لو لیکن مومل کو طلاق مت دو۔''

''ربیعہ! یہ فیصلہ تم مت کرو' تم اس سے بات کرو اگر وہ اس پر تیار ہو اور یہ بات چھپائے کہ میں نے اسے طلاق نہیں دی تو میں تمہاری بات مان لوں گا لیکن پہلے تم اس سے بات کرو۔''

وہ ربیعہ سے یہ کہہ کر چلا گیا تھا۔ ربیعہ اندر بیڈ روم میں چلی آئی اور جو اس کے دل میں آیا۔ اس نے مومل کو کہہ دیا۔ اس وقت اسے مومل پر کچھ اتنا ہی غصہ آ رہا تھا۔ اس نے اس کی ساری پیش گوئیوں کو سچ ثابت کر دیا تھا۔ مومل خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔ پھر ربیعہ نے اس کے سامنے اپنی تجویز رکھ دی تھی اور یہ دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی جب وہ بلا تامل اس کی بات مان گئی۔

''میں نے تمہیں ہزار دفعہ سمجھایا تھا کہ اپنی عادتوں کو بدل ڈالو۔ ماضی کو بھول جاؤ لیکن تم نے سب کچھ گنوا کر دم لیا۔ میں تمہیں اب بھی کہتی ہوں۔ اپنا رویہ بدلو۔ اس پر توجہ دو۔ شادی تو اب اس نے کر ہی لینی ہے لیکن تم اسے یہ موقع نہ دو کہ وہ تمہیں اور زاشی کو بالکل ہی بھول جائے۔''

مومل خاموشی سے اس کی نصیحتیں سنتی رہی۔ اس کے سوا وہ اب کر بھی کیا سکتی تھی۔

اسفند پندرہ دن بعد دوبارہ آیا تھا اور اس بار اس نے پہلی بار مومل کے رویے میں تبدیلی دیکھی۔ اس رات پہلی بار اس نے ٹیبل پر اس کے لیے کھانا لگایا تھا اور کھانے کے بعد خود ہی اسے چائے تیار کر کے دی۔ اگلی صبح پہلی بار اسے اپنے کپڑے خود پریس نہیں کرنے پڑے' وہ پہلے سے

ہی باتھ روم میں لٹکے ہوئے تھے۔اسے اس کے رویئے میں اتنی معمولی سی تبدیلی بھی بہت اچھی لگی تھی۔اس دن واپس ملتان جانے سے پہلے وہ نوشین سے ملا تھا اور اس نے اسے اپنے فیصلے کے بارے میں خود ہی سب کچھ بتا دیا وہ اسے کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔نوشین اس کی بات سن کر یک دم بگڑ گئی۔

''اسفند! میں دوسری بیوی بن کر رہنا نہیں چاہتی۔میں شراکت میں زندگی نہیں گزار سکتی۔''

''نوشین! یہ ٹھیک ہے کہ میں اسے طلاق نہیں دوں گا لیکن میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔تم میرے پاس رہو گی' وہ یہیں لاہور میں رہے گی۔''

''اسفند! میں اس معاملے میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتی۔''

اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

اسفند اسے قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔وہ صرف اس صورت میں شادی پر تیار تھی جب وہ مومل کو طلاق دے دیتا۔وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔گھر والوں کی طرف سے بھی اس پر مومل کو طلاق دینے اور نوشین سے شادی کے لیے دباؤ تھا اور وہ جیسے دوراہے پر کھڑا تھا۔

وہ اب مومل کو طلاق دینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس نے اپنے رویئے کو بڑی حد تک بدل لیا تھا۔اب وہ بات بے بات اس سے الجھتی نہ تھی اور اس کی چھوٹی موٹی تمام ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔اس نے اسفند کے اعتراضات کو بڑی حد تک دور کر دیا تھا۔انہیں دنوں اس نے مومل اور زاشی کو پرانے فلیٹ سے ایک نئے فلیٹ میں شفٹ کر دیا تھا۔اس نے زاشی کو ایک مانٹیسوری میں داخل کروایا تھا اور وہ مانٹیسوری پرانے فلیٹ سے بہت فاصلے پر تھی۔نیا فلیٹ ایک لگژری فلیٹ تھا۔نیا فلیٹ نہ صرف مکمل طور پر فرنشڈ تھا بلکہ اس میں کمروں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔نوشین سے اس کی ملاقاتیں ویسے ہی جاری تھیں لیکن وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی وہ مومل کی موجودگی میں اس سے شادی کرنے کو تیار نہ تھی۔اور اسفند کے لیے اب مومل کو طلاق دینا مشکل ہو گیا تھا۔

ان ہی دنوں زاشی کی طبیعت کچھ خراب رہنے لگی تھی۔مومل نے سوچا کہ شاید موسم کی تبدیلی کی وجہ سے وہ بیمار ہو گئی ہے۔اس لیے اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا لیکن جب اسفند گھر آیا تھا تب تک اسکی طبیعت خاصی خراب ہو چکی تھی۔وہ اسے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور وہیں پتا چلا تھا کہ اسے یرقان ہے۔اور مرض کافی بگڑ چکا تھا۔ڈاکٹر نے اسے فوری طور پر ایڈمٹ کر لیا۔اسفند اس کی حالت دیکھ کر کافی پریشان تھا۔اور اسی پریشانی میں وہ نوشین کے ساتھ روز دوپہر کا لنچ بھی بھول گیا۔نوشین نے اس کے نہ آنے پر جب اسے فون کیا تھا تب وہ کلینک پر تھا۔اسفند نے اسے زاشی کی حالت کے بارے میں بتایا تھا لیکن وہ پھر بھی اصرار کر رہی تھی کہ وہ لنچ کے لیے آئے۔اس کی ضد پر اسفند کو بے اختیار غصہ آیا۔

''میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں نہیں آ سکتا پھر بھی تم ضد کر رہی ہو۔تم کیا چاہتی ہو کہ میں اپنی بیٹی کو اس حالت میں چھوڑ کر تمہارے ساتھ لنچ کرتا پھروں۔''

نوشین اس کے لہجے پر دنگ رہ گئی تھی۔''تم مجھ سے کس طرح بات کر رہے ہو؟ کیوں چلا رہے ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ تمہیں اپنے لنچ کی پڑی ہے یہ احساس نہیں کہ وہ کتنی تکلیف میں ہے۔ اگر وہ تمہاری اپنی بیٹی ہوتی تو کیا پھر بھی تم اسے اس طرح چھوڑ کر مجھے ہوٹل میں لنچ کرنے کے لیے بلواتیں۔''

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری بیٹی'' نوشین خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔

''مائنڈ یور لینگوئج۔ میں نہیں جانتا تھا۔ تم اس قدر پاگل ہو سکتی ہو۔''

''کیا پاگل پن دکھایا ہے میں نے۔ وہ صرف بیمار ہے' مری تو نہیں ہے جو تم اس طرح سوگ میں بیٹھ گئے ہو۔''

''نوشین! مجھے دوبارہ فون مت کرنا۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں نہ تمہاری شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اسفند نے تلخی سے فون پٹخ دیا۔

نوشین کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک ننھی سی بچی کے لیے اس طرح اس کی بے عزتی کر سکتا ہے۔ دوسری طرف اسفند بھی اس کی باتوں پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اسے یہ توقع نہیں تھی کہ نوشین اس سے اس طرح بات کرے گی اس کا خیال تھا کہ وہ زاشی کی خیریت دریافت کرے گی اور شاید اسے دیکھنے آ جائے لیکن اس نے رسمی طور پر بھی اس کا حال پوچھنے کی زحمت نہیں کی اور اس بات نے اسفند کے دل میں ایک گرہ سی لگا دی۔ وہ ایک بار پھر اس سے شادی کے فیصلے پر سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ موبل کا وجود زاشی کے لیے کتنا ضروری ہے۔ وہ جیسی بھی تھی بہر حال اس کی ماں تھی اور جو احساسات وہ زاشی کے لیے دل میں رکھتی تھی۔ وہ کوئی دوسری عورت نہیں رکھ سکتی تھی۔ دو دن زاشی ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہی تھی پھر ڈاکٹر نے اسے ڈسچارج کر دیا۔

وہ دونوں دن لاہور میں ہی میں رہا تھا۔ اس بیماری نے ایک بار پھر اسے زاشی سے بہت قریب کر دیا تھا۔ وہ اس کے لیے سب کچھ تھی بیٹی' دوست' ساتھی سب کچھ۔ شروع شروع میں وہ صرف اپنی غلطی کی تلافی کے طور پر اسے زیادہ توجہ دیتا تھا لیکن بعد میں اس نے نامحسوس طور پر اسے اپنا گرویدہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان دنوں وہ دوستوں سے کم ملتا تھا ماں باپ سے وہ کٹ چکا تھا۔ موبل اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔ صرف زاشی تھی جو اسے دیکھ کر مسکرا دیتی۔ اس کی انگلی پکڑ کر کھیلتی اس کے چہرے کو چھوتی۔ اس کی باتوں کے جواب میں منہ سے آوازیں نکالتی۔ اسفند کو یوں لگتا' پوری دنیا میں اگر کسی کو اس کی پروا ہے تو وہ زاشی ہے۔ بعد میں ماں باپ سے میل جول اور نوشین سے ہونے والی ملاقاتوں نے بھی اس محبت کو کم نہیں کیا تھا۔

اسفند نے دوبارہ نوشین سے خود رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بہت دن تک اس کے فون کا انتظار کرتی رہی اور پھر تنگ آ کر اس نے خود ہی اسے کال کیا تھا۔ لیکن اسفند کا غصہ ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ اس نے اسے بہت کچھ کہا تھا اور پھر آخر میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''میں ایک ایسی عورت سے شادی نہیں کر سکتا جو میری بیٹی کو پسند نہیں کرتی۔ تم میری طرف سے آزاد ہو جہاں دل چاہے شادی کر لو۔''

بہت سے فیصلے کرنا بہت مشکل لگتا ہے لیکن جب انسان وہ فیصلہ کر لیتا ہے تو سب کچھ جیسے آسان ہو جاتا ہے۔ ایک بار پہلے اس نے نوشین کو موبل کی خاطر چھوڑا تھا۔ دوسری بار اس نے اسے زاشی کی خاطر چھوڑ دیا تھا۔

☆

اس شام وہ دونوں ربیعہ کو چھوڑنے ائرپورٹ گئے تھے۔ وہ انگلینڈ چلی گئی تھی اور ائرپورٹ پر اسے سی آف کرتے وقت مومل کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بالکل تنہا ہوگئی تھی۔ فاطمہ سے پہلے ہی اس کا رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا اور اب ربیعہ بھی چلی گئی تھی اور اس سے بھی جلد ملاقات کا کوئی امکان نہیں تھا۔ واپسی پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اسفند اس کی خاموشی کو محسوس کر رہا تھا۔ زاشی اس کی گود میں بیٹھی مسلسل باتیں کر رہی تھی۔

''پاپا! پتا ہے ربیعہ آنٹی نے کہا ہے کہ وہ میرے لیے انگلینڈ سے بہت سے چاکلیٹس لائیں گی۔ اور ربنز بھی اور فراکس بھی اور انہوں نے پرامس کیا ہے کہ وہ میرے لیے ایک بڑا سا پلین لے کر آئیں گی آپ والے سے بھی بڑا۔''

وہ ربیعہ کے وعدے ڈسکس کر رہی تھی۔ مومل خاموشی سے کھڑکی سے باہر جھانکتی رہی۔ اسے آج ربیعہ اور فاطمہ کی ایک ایک بات ایک ایک احسان یاد آ رہا تھا۔ اور ہر یاد اسے ملول کر رہی تھی۔ اسفند اس کی کیفیات سے بے خبر نہیں تھا۔ زاشی کو گھر جاتے ہی ہوم ورک کا خیال آ گیا۔

''ماما! آپ مجھے ہوم ورک کروائیں۔''

اس سے پہلے کہ مومل کچھ کہتی اسفند بول اٹھا۔

''بیٹا! آج ہم آپ کو ہوم ورک کروا دیتے ہیں۔ آپ اپنی ماما کو سونے دیں۔''

وہ خاموشی سے اپنے بیڈروم میں چلی آئی لیکن اسے نیند نہیں آئی۔ وہ تقریباً ساری رات روتی رہی تھی۔ دوسرے دن وہ صبح پانچ بجے اٹھی تھی کیونکہ اسفند کو جلدی جانا تھا۔ وہ اس وقت ناشتہ تیار کر رہی تھی جب وہ کچن میں آیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ رات کو سوئی نہیں ہے۔

''ربیعہ کے جانے کا بہت افسوس ہو رہا ہے تمہیں؟''

وہ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگا رہی تھی جب اسفند نے اسے مخاطب کیا تھا۔ مومل خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔

''مومل! وہ ہمیشہ تو تمہارے پاس نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک نہ ایک دن تو اسے واپس جانا ہی تھا۔ لیکن وہ دوبارہ بھی تو آئے گی اور اگر تم چاہو تو آئندہ چھٹیوں میں اس کے پاس انگلینڈ چلی جانا۔''

وہ بڑے نرم لہجے میں اسے چیئر اپ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بمشکل خود پر ضبط کر رہی تھی۔ اس کی بات پر یک دم ڈائننگ ٹیبل پر بازو ٹکا کر رونے لگی۔

چند لمحوں بعد اسے اپنے بالوں پر اس کے لمس کا احساس ہوا تھا۔ اور عجب بات یہ تھی کہ مومل کو یہ لمس بُرا نہیں لگا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا وہ خود بھی بے حد عجیب سے جذبات سے دوچار ہو رہا تھا۔ پھر مومل نے یک دم سر اٹھایا دونوں کی نظریں ملیں اور مومل تیزی سے اٹھ کر کچن سے نکل گئی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر وہ بھی فلیٹ سے چلا گیا۔ وہ ایک جذباتی لمحہ تھا جو دونوں کے درمیان کوئی آہٹ کیے بغیر گزر گیا تھا۔ مومل کو بعد میں خود پر بے تحاشا غصہ آیا تھا کہ وہ اتنی کمزور کیسے پڑ گئی کہ اس کے سامنے رونے لگی۔ اسے خود پر بہت افسوس ہوا تھا۔

☆

اسکی لاہور آمد ورفت میں ایک تسلسل سا آ گیا تھا۔ وہ تقریباً ہر ویک اینڈ پر گھر ضرور آیا کرتا تھا۔ اس دن وہ زاشی کو آئس کریم کھلانے کے لیے باہر لے کر گیا ہوا تھا۔ مومل رات کا کھانا تیار کر رہی تھی جب ڈور بیل بجی۔ مومل نے دروازہ کھولا تو ایک عورت کا اجنبی چہرہ اس کے سامنے تھا۔

''تم مومل ہو؟'' بہت عجیب سے لہجے میں اس عورت نے کہا تھا۔ وہ اس عورت کی زبان سے اپنا نام سن کر قدرے حیران ہوئی۔ کالی ساڑھی میں ملبوس بالوں کا جوڑا بنائے وہ عورت ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود بے حد خوبصورت تھی۔

''ہاں میں مومل ہوں۔ آپ کون ہیں؟''

''میں اسفند کی مدر ہوں۔'' اس عورت نے بڑی رعونت سے کہا تھا۔

''آپ اندر آ جائیں۔'' وہ دروازے سے ہٹ گئی۔

''تم نہ بھی کہتیں۔ تب بھی میں اندر آ جاتی۔ یہ میرے بیٹے کا گھر ہے۔''

وہ نخوت سے کہتی ہوئی اندر آ گئی تھیں۔ مومل نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی۔

''آپ بیٹھیں۔''

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی ہوں۔ تم سے کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔ اسفند سے علیحدگی کے بدلے میں کیا لو گی؟ بولو کیا لو گی؟ جو مانگو گی میں تمہیں دوں گی صرف اس کا پیچھا چھوڑ دو تم اس کے قابل نہیں ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ تم سے پیچھا چھڑائے۔ تم اسے چھوڑ دو۔ اور اس کے بدلے میں جو چاہتی ہو لے لو۔''

مومل نے سکون سے ان کی بات سنی۔

''آپ اسفند کی ماں ہیں میں اس رشتے سے آپ کی عزت کرتی ہوں مگر آپ ایسی باتیں نہ کریں جن سے میرے دل میں آپ کے لیے عزت ختم ہو جائے۔''

عنبرین حسن اس کی بات پر بھڑک اٹھیں۔''مجھے تم جیسی عورتوں سے عزت نہیں چاہیے۔ میں نے تمہیں ایک بہت مناسب آفر کی ہے تم مجھے اس کا جواب دو۔''

''اگر میں آپ کو ایک بلینک چیک دوں اور آپ کو اپنا گھر چھوڑنے کے لیے کہوں تو آپ کیا یہ آفر قبول کریں گی؟''

اس کی بات پر عنبرین حسن آگ بگولہ ہو گئیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتیں فلیٹ کے ادھ کھلے دروازے کو کھول کر اسفند اندر داخل ہوا۔ وہ زاشی کی انگلی تھامے ہوئے تھا۔ اپنی ماں پر نظر پڑتے ہی وہ جیسے ہکا بکا رہ گیا۔

عنبرین حسن نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مومل سے کہا۔

''اپنا مقابلہ مجھ سے مت کرو۔ میں تمہاری طرح بدکردار آوارہ اور مردوں پر ڈورے ڈالنے والی نہیں ہوں۔''مومل کا چہرہ ان کی بات پر سرخ ہو گیا۔

''ممی! آپ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔''اسفند یک دم آگے بڑھ آیا تھا۔

''کچھ غلط تو نہیں کہا میں نے۔ میں تو اس کو اس کا غلیظ چہرہ دکھا رہی ہوں۔''

''ممی! کافی ہو گیا۔ اب آپ خاموش ہو جائیں۔ کیا آپ جانتی ہیں آپ جس کے بارے میں یہ سب کچھ کہہ رہی ہیں' وہ میری بیوی اور میری بیٹی کی ماں ہے۔''اسفند نے تلخ لہجے میں ماں سے کہا تھا۔

''تمہاری بیٹی۔ کون سی بیٹی؟ یہ؟''عنبرین حسن نے حقارت بھرے لہجے میں زاشی کی طرف اشارہ کیا۔''کیا ثبوت ہے کہ یہ تمہاری بیٹی ہے؟''

''ممی! آپ بس یہاں سے چلی جائیں۔ میں آپ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔''

''یہ میرے شوہر کی کمائی کا فلیٹ ہے' تمہاری کمائی کا نہیں۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ تمہیں شرم آنی چاہیے کہ تم اپنے باپ کا روپیہ ایسی عورتوں پر لٹا رہے ہو۔ یہ اس قدر ستی ساوتری ہوتی تو اپنے ماں باپ کے گھر ہوتی۔ یہاں نہ ہوتی۔ اس نے کہا کہ یہ تمہاری بچی ہے اور تم فوراً اس پر جان چھڑکنے لگے۔ کیا دنیا میں تم سے بڑا احمق کوئی اور ہے۔ ایسی عورتوں کے ہزاروں چاہنے والے ہوتے ہیں۔ تمہارے جیسوں کی انہیں تب ضرورت پڑتی ہے جب انہیں اپنی اولاد کو نام دینا ہوتا ہے۔ تم نے اسے اپنی اولاد مان لیا لیکن ہم لوگ نہیں مانیں گے۔ تمہاری اولاد وہی ہو گی جس کی ماں کوئی خاندانی عورت ہو گی۔ گھر سے بھاگی ہوئی اس جیسی لڑکی نہیں۔ یہ بات ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھنا کہ جسے تم اپنی بیٹی کہہ رہے ہو۔ اسے ہمارا خاندان کبھی قبول نہیں کرے گا۔ تم کسی باعزت خاندان میں اس کی شادی نہیں کر سکو گے۔''

وہ اسے یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے فلیٹ کا دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔ مومل سرخ چہرے کے ساتھ ہونٹ کاٹتے ہوئے صوفہ پر بیٹھ گئی۔

اسفند مرد تھا۔ مرد کے دل میں بدگمانی ہمیشہ بجلی کی طرح آتی ہے جب تک اس کی ماں وہاں تھی' وہ مومل کا دفاع کر رہا تھا لیکن ان کے جاتے ہی وہ مومل سے بدگمان ہونے لگا تھا۔

''ممی جو کچھ کہہ رہی تھیں' وہ ناممکن تو نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے زاشی میری نہیں واقعی کسی اور کی بچی ہو اور مومل نے مجھے اندھیرے میں رکھا ہو۔'' اس کا ذہن یک دم شبہات سے بھر گیا تھا۔ زاشی اس کے پاس آ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹنے لگی۔ اس نے اسے دور دھکیل دیا۔

''میرے پاس مت آؤ۔ اندر جا کر سو جاؤ۔''

زاشی تو باپ کے رویے پر حیران تھی مگر مومل جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ اس نے پہلی بار اسفند کو زاشی کو اس طرح جھڑکتے دیکھا تھا۔ اسفند اچانک کرسی کھینچ کر اس کے مقابل آن بیٹھا۔

''مومل! تم اپنی بیٹی کی قسم کھا کر کہو کہ وہ واقعی میری اولاد ہے؟''

بجلی گرتی تو شاید مومل کو اتنا شاک نہ لگتا جتنا اس کے اس ایک جملے سے لگا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ کچھ نہیں بول پائی اور اس کی اس خاموشی نے اسفند کے اضطراب میں اضافہ کر دیا تھا۔

''تم مجھے بتاؤ' کیا زاشی میری اولاد ہے؟''

''یہ سوال تم خود سے کرو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ وہ کس کی اولاد ہے۔ یہ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جان سکتا۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

''مومل! میں تمہارے بارے میں سب کچھ نہیں جانتا۔ جب میں نے تمہیں چھوڑ دیا تھا تو تم اپنے گھر گئی تھیں لیکن انہوں نے تمہیں نہیں رکھا۔ تمہارے بقول تم ربیعہ اور فاطمہ کے ساتھ رہی تھیں۔ لیکن میں نہیں جانتا۔ یہ بات سچ ہے یا نہیں ہوسکتا ہے تم کسی اور......''

وہ اپنے شبہات کو زبان دے رہا تھا۔ مومل نے اسے روک دیا۔

''اتنا کافی ہے۔ تمہیں اگر یہ لگتا ہے کہ زاشی تمہاری بیٹی نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔ میں اسے لے کر کل یہاں سے چلی جاؤں گی لیکن تم اپنی گندی زبان بند رکھو۔''

زاشی حیرت اور خوف کے عالم میں ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ جھگڑے کی نوعیت تو سمجھ نہیں پا رہی تھی لیکن اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس کے ماں باپ میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ مومل نے زاشی کو گود میں اٹھا لیا۔

''آؤ زاشی! تمہیں سلا دوں۔'' اپنے آنسوؤں کو پیتے ہوئے اس نے کہا۔

''نہیں ماما! میں تو پاپا کے پاس سوؤں گی۔'' زاشی نے ضد کی تھی۔

''یہ تمہارے پاپا نہیں ہیں۔ تمہارے پاپا مر چکے ہیں۔''

وہ تلخ لہجے میں کہہ کر اسے بیڈ روم میں لے آئی۔ اسے کاٹ میں لٹانے کے بعد اس نے اپنا ایک بیگ نکالا اور اس میں اپنے کچھ کپڑے

رکھ لیے۔ پھر ایک اور بیگ نکال کر وہ بیڈروم سے نکل آئی۔ اسفند ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دوسرے بیڈروم میں آئی اور زاشی کے کپڑے بیگ میں رکھنے لگی۔ واپس اپنے بیڈروم میں آ کر وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے۔ ربیعہ اور فاطمہ تو اب یہاں تھیں نہیں اور ان دونوں کے علاوہ وہ کسی اور سے مدد کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ اسی ادھیڑ بن میں پتا نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ پتا نہیں رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کمرے میں آہٹ ہو رہی تھی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ زیرو پاور کے بلب کی روشنی میں اس نے اسفند کو زاشی کے کاٹ پر جھکا ہوا دیکھا تھا۔ بیڈ کی طرف اس کی پشت تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس وقت وہاں کیا کر رہا تھا۔ وہ دبے قدموں سے کاٹ کی طرف آئی۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن اس کی بھیگی ہوئی آواز اس کے کانوں میں اترتی گئی تھی۔

''تمہارا باپ دنیا کا غلیظ ترین آدمی ہے' وہ اس قابل نہیں تھا کہ تم اس کے گھر میں پیدا ہوتیں' پھر بھی پھر بھی میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اس کے گناہوں کی سزا نہ دے۔''

وہ زاشی کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے خود کلامی کر رہا تھا۔ مومل بنا آہٹ واپس پلٹ گئی۔ اسے اس طرح دیکھ کر اسے عجیب سا سکون ملا تھا۔ باقی رات وہ اطمینان سے سوئی تھی۔

اسفند شاید ساری رات نہیں سویا تھا۔ اس لیے صبح جب وہ اٹھ کر کچن میں آئی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا تھا۔

''مجھے چائے بنا دو۔'' وہ کہتے ہوئے وہیں ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ مومل نے کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر چائے کا ایک کپ تیار کر کے اس کے سامنے رکھ دیا۔

''کل رات جو کچھ ہوا۔ میں اس کے لیے تم سے ایکسکیوز کرتا ہوں۔ میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔''

مومل سرد نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ ''کیا تمہیں یقین آ گیا ہے کہ زاشی تمہاری بیٹی ہے؟۔''

''مومل! میں اپنے الفاظ کے لیے ایکسکیوز کر چکا ہوں۔ اب دوبارہ یہ بات مت کہنا۔ میں چاہتا ہوں۔ تم دونوں میرے ساتھ ملتان چلو۔ میں تم دونوں کو اب اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔''

مومل بے تاثر چہرے سے اسے دیکھتی رہی پھر کچن سے باہر آ گئی۔

☆

ایک ہفتہ بعد وہ ملتان شفٹ ہو گئی تھی۔ پہلی رات وہ زاشی کے ساتھ سوئی تھی مگر اگلی صبح اسفند نے اس سے کہا۔

''تم زاشی کا بیڈروم الگ سیٹ کر دو اور تم خود میرے کمرے میں سویا کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ ملازم تمہیں الگ کمرے میں رہتے ہوئے دیکھ کر میرے یا تمہارے متعلق کوئی بات کریں۔ تم اگر الگ بیڈروم میں رہو گی تو یہ بات ان سے چھپی نہیں رہے گی۔''

''وہ جو چاہے سوچیں اور جو چاہیں کہیں۔ میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔'' مومل نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''تمہیں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اسفند نے کچھ عجیب سے لہجے میں اس سے کہا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

''میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں، اپنے ذہن سے یہ خوش فہمی نکال دو۔''

اس نے تلخ لہجے میں اس سے کہا۔ اسفند خاموش ہو گیا۔ اس کی بات مومل کو ایک چیلنج کی طرح لگی تھی۔ وہ اگلے دن اس کے کمرے میں شفٹ ہو گئی۔ پہلے کچھ دن وہ ٹھیک سے سو نہیں سکی اسے واقعی اسفند سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کا خوف ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اسفند ویسے بھی رات کو دیر سے گھر آتا اور آتے ہی اسٹڈی میں فائلز دیکھنے بیٹھ جاتا۔ رات کے دو بجے وہ کمرے میں آتا اور اس قدر تھکا ہوا ہوتا کہ چند منٹوں میں ہی سو جاتا تھا۔

''میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ چند ہفتے وہاں رہی تھی اور بے زار ہو گئی تھی۔ لاہور میں گھر کے کاموں میں اس کا وقت گزر جاتا تھا لیکن یہاں پر ملازم ہونے کی وجہ سے اسے سارا دن ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا پڑتا تھا۔ وہ بے مقصد سارا دن گھر میں پھرتی رہتی اور چند دنوں میں ہی اس پر ایک بار پھر ڈپریشن کے دورے پڑنے لگے تھے۔ اسے سارا دن گھر میں رہنا مشکل لگنے لگا تھا اور اس رات اس نے اسفند سے بات کر ہی لی تھی۔

''کس لیے؟'' وہ کچھ حیران ہوا تھا۔ ''میرا خیال ہے۔ تمہیں روپے کی تو کمی نہیں ہے۔''

''جاب صرف روپے کے لیے نہیں کی جاتی۔ میں خود کو مصروف رکھنا چاہتی ہوں۔'' اس نے تنک کر کہا۔

''مصروف رکھنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔ تم کلب جوائن کر لو۔ یہ جو اتنے فنکشنز کے کارڈز آتے ہیں، وہاں جایا کرو۔''

''نہیں۔ مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں بس جاب کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے اپنی بات پر اصرار کیا۔

''میں تمہارے ساتھ بحث کرنا نہیں چاہتا لیکن میں تمہیں جاب کرنے نہیں دوں گا۔'' وہ سونے کے لیے بیڈ پر دراز ہو گیا۔

''میں تم سے اجازت نہیں مانگ رہی ہوں، صرف تمہیں اطلاع دے رہی ہوں۔ مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں تمہارے کافی ناز نخرے برداشت کر چکا ہوں اور نہیں کر سکتا۔ تم سے شادی کر کے میں پہلے ہی بہت سے مسائل سے دوچار ہوں۔ تم میرے لیے مزید مصیبتیں کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں میری اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں لیکن اس شہر میں تم میری مرضی کے بغیر کام نہیں کر سکتیں، تم جابز ڈھونڈتی رہو گی اور میں تمہیں وہاں سے نکلواتا رہوں گا۔ اس لیے بہتر ہے، تم آرام سے گھر پر رہو۔''

مومل نے ایک شاک کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔ اسفند کے لہجے سے اسے اپنی تذلیل کا احساس ہوا تھا۔ اس نے دوبارہ اس سے جاب کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے دن اسی طرح گزرنے لگے تھے لیکن اب وہ پہلے کی طرح گھر پر نہیں رہتی تھی۔ اس نے اپنے لیے بہت سی سرگرمیاں تلاش کر لی تھیں۔ اسفند اور اس کے درمیان تعلقات کی نوعیت اب بھی وہی تھی۔ وہ اب بھی اسے معاف کرنے پر تیار نہیں تھی۔

☆

وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا تھا۔ زاشی اب نو سال کی ہو چکی تھی۔ اسفند نے اسے لاہور میں ایک ہاسٹل میں داخل کروایا ہوا تھا کیونکہ مختلف شہروں میں پوسٹنگ ہونے کی وجہ سے وہ بار بار اس کا سکول تبدیل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسفند پہلے سے بہت بدل گیا تھا۔ مومل اور گھر کے معاملے میں وہ کافی لاپروا اور سرد مہر ہو گیا تھا۔ مومل کے ساتھ اس کے رویئے میں وہ پہلے جیسی نرمی نہیں رہی تھی۔ اب وہ پہلے کی طرح خاموشی سے اس کی باتیں

نہیں سنتا تھا۔ بلکہ اسے جھڑک دیتا تھا۔

فیصل آباد میں اس کی پوسٹنگ کو ایک سال ہونے والا تھا جب اچانک اسے اسفند بہت بدلا ہوا لگنے لگا تھا۔ وہ یک دم بہت پُرسکون اور مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ مومل نے شروع میں اس تبدیلی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن بہر حال وہ ایک عورت تھی جو پچھلے دس سال سے اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ ان تبدیلیوں کی وجہ کوئی عورت ہے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پریشان رہنے لگی تھی۔ اسفند کے معمولات میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ اکثر راتوں کو گھر سے غائب رہنے لگا تھا۔ پہلے جب وہ کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر رہتا تھا تو ہمیشہ اسے پہلے سے مطلع کر دیتا تھا۔ لیکن اب وہ مومل کو مطلع نہیں کیا کرتا تھا۔ ایک رات وہ گھر سے غائب تھا جب اچانک اس کے لیے آفس سے کال آ گئی تھی۔ پولیس نے کہیں ریڈ کیا تھا اور کسی اشتہاری ملزم کو پکڑ لیا تھا اور اب ایس پی صاحب کو بلایا جا رہا تھا۔

''وہ گھر پر نہیں ہیں۔'' آپریٹر نے کال مومل سے ملا دی تھی اور اس نے اسفند کے بارے میں بتا دیا تھا۔

''پھر وہ کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں۔''

''ٹھیک ہے، ہوسکتا ہے وہ پیٹرولنگ پر ہوں۔ ہم پتا کر لیتے ہیں لیکن اگر وہ گھر آ جائیں تو انہیں فوراً کمشنر آفس بھجوا دیں۔'' بولنے والے نے اس سے کہا تھا۔

مومل نے فون بند کر دیا۔ پھر وقفے وقفے سے فون آتے رہے لیکن اسفند کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ صبح چار بجے کے قریب آیا تھا۔ مومل نے اسے پیغام پہنچا دیا۔ وہ فوراً واپس چلا گیا۔ جب دوپہر کو وہ واپس آیا تھا تو اس نے ایک فون نمبر ڈائری پر لکھ کر اس سے کہا تھا۔ اگر کبھی میرے لیے کوئی مسیج آئے اور میں موبائل پر ریسیو نہ کروں تو اس فون نمبر پر مجھے انفارم کر دو۔''

مومل کا دل چاہا تھا' وہ اس سے پوچھے کہ وہ پچھلی رات کہاں تھا۔ یہ تو اسے کنفرم ہو گیا تھا کہ وہ کسی سرکاری کام پر نہیں تھا۔ کچھ ہفتے اسی طرح سے گزر گئے۔ پھر ایک رات وہ اسی طرح گھر نہیں آیا۔ اور ڈپٹی کمشنر کے گھر سے اس کے لیے کال آئی تھی۔ کچھ لوگوں نے ڈی سی ہاؤس پر فائرنگ کی تھی۔ مومل نے موبائل پر اسے رنگ کیا۔ لیکن شاید موبائل آف تھا۔ پھر اسے اس نمبر کا خیال آیا تھا اور اس نے اس نمبر پر رنگ کیا۔ کچھ دیر تک بیل ہوتی رہی پھر کسی عورت نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو کون بول رہا ہے؟'' اس کی آواز میں غنودگی نمایاں تھی۔ یوں جیسے وہ ابھی نیند سے بیدار ہوئی ہو۔ مومل کو چند لمحوں کے لیے یوں لگا جیسے اس کے دل کی دھڑکن رک گئی ہو۔ اس کے بدترین خدشے کی تصدیق ہو گئی تھی۔

''اسفند حسن سے بات کروائیں۔''

اس عورت کی آواز سے یک دم غنودگی کے آثار غائب ہو گئے۔ ''یہ اسفند حسن کا گھر نہیں ہے۔ آپ نے غلط نمبر پر رنگ کیا ہے۔''

''میں جانتی ہوں یہ اسفند حسن کا گھر نہیں ہے مگر وہ پھر بھی یہیں ہے۔ آپ اسے بتا دیں کہ ڈی سی ہاؤس سے اسے کال کیا گیا ہے۔''

مومل نے اس عورت سے کہا۔ اس بار کچھ توقف کے بعد اس نے ریسیور پر اسفند کی آواز سنی۔ اسے اپنے اندر جوار بھاٹا سا اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ اس نے پیغام دے کر فون بند کر دیا۔ مومل دوبارہ سو نہیں پائی۔ وہ صبح نو بجے گھر آیا تھا اور اسے دیکھ کر مومل کو اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''وہ عورت کون تھی؟''

''جو بھی تھی بہر حال یہ اطمینان رکھو وہ میری بیوی نہیں تھی۔''

مومل کو اس کے جواب پر اور غصہ آیا تھا۔

''اگر وہ تمہاری بیوی نہیں ہے تو پھر تم وہاں کس......'' اسفند نے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں تم سے اس سلسلے میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ تمہیں میری زندگی میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

''تمہیں خود پر شرم آنی چاہیے۔ تم آج سے دس سال پہلے بھی جانور تھے آج بھی جانور۔''

''تم اپنا منہ بند رکھو۔''

اسفند نے سرخ چہرے کے ساتھ اس کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

''تمہیں اسفند حسن تمہیں کوڑے لگنے چاہیں۔ پھانسی دے دینی چاہیے تمہیں۔''

''پچھلے دس سال سے پھانسی ہی تو دی جا رہی ہے مجھے''۔ تلخ لہجے میں اسکی بات کا جواب دے کر اس نے اپنی جیکٹ اتار کر بیڈ پر اچھال دی۔

''تم ایک بیٹی کے باپ ہو۔ تمہیں اپنا نہیں تو اس کا احساس ہونا چاہیے۔''

''میں تمہارے اور زاشی کے لیے اور قربانیاں نہیں دے سکتا۔ میں تنگ آ گیا ہوں تم دونوں کی پروا کر کر کے۔ میں تنگ آ گیا ہوں اس زندگی سے۔ یہ زندگی نہیں ہے یہ عذاب ہے۔''

وہ اس کی بات پر بلند آواز سے چلایا تھا۔

''اس عذاب کا انتخاب تم نے خود کیا تھا۔''

''ہاں خود کیا تھا لیکن دس سال کسی غلطی کی تلافی کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ میں اب اپنی زندگی کو اپنے طریقے سے گزارنا چاہتا ہوں۔ اس زندگی پر میرا بھی حق ہے۔ میں اپنی پوری زندگی کو ایک ایکسکیوز بنا کر گزارنا نہیں چاہتا۔''

وہ واش روم میں چلا گیا۔ مومل ساکت کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆

سائرہ سے اسفند کی ملاقات چیمبر آف کامرس میں ہوئی تھی۔ وہ وہاں ریسپشنسٹ تھی اور اس میں کوئی ایسی بات تھی جو مردوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیتی تھی۔ اسفند کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ دو چار بار اسے چیمبر آف کامرس جانا پڑا اور سائرہ کی پرسنالٹی اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ سائرہ اچھی عورت نہیں ہے اور اسفند واحد آدمی نہیں تھا جس پر وہ اپنے التفات کا اظہار کرتی تھی مگر اسفند کو اس کی پروا نہیں تھی۔

وہ سب کچھ جانتے بوجھتے اس سے میل جول بڑھاتا گیا اور پھر آہستہ آہستہ بات کافی آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ سائرہ کے گھر پر راتیں گزارنے لگا تھا۔ وہ ایک پوش علاقے میں ایک چھوٹے سے بنگلہ میں رہتی تھی اور ایک ریسپشنسٹ اس علاقے میں رہائش کس طرح افورڈ کر رہی تھی۔ یہ تقریباً سب ہی جانتے تھے لیکن پھر بھی اس کے پاس آنے والوں کی تعداد میں کمی نہیں آئی تھی۔ اسفند اس کا نیا شکار تھا بس فرق یہ تھا کہ یہ شکار سب کچھ جانتے بوجھتے اس کے جال میں پھنسا تھا۔

مومل ایک بار پھر دوراہے پر کھڑی تھی۔ ماضی ایک بار پھر اپنی بھیانک صورت میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

''مجھے اب اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔''

وہ دس سال کے بعد فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ''مجھے ایک بار پھر اپنی فیملی کے پاس جانا چاہیے ان سے بات کرنی چاہیے۔ دس سال پہلے میں کمزور تھی بات نہیں کر سکتی تھی لیکن اب کر سکتی ہوں۔''

☆

اس دن وہ زاشی کو لاہور ہاسٹل چھوڑنے گئی تھی اور اسی دن وہ وہاں سے واپس فیصل آباد آنے کے بجائے اپنے گھر چلی گئی تھی۔ اسے یاد تھا دس سال پہلے بھی وہ ایک بار اسی طرح اس گھر میں گئی تھی تب اس کی زندگی اور عزت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ دس سال بعد آج پھر وہ اسی دہلیز پر کھڑی تھی۔ تب اس گھر نے اسے پناہ نہیں دی تھی اور آج ...... لرزتے ہاتھ سے اس نے کال بیل بجائی تھی۔ اندر قدموں کی آہٹ ابھری تھی۔ پھر کسی نے دروازہ کھول دیا۔ اسے کچھ بھی پہچاننے میں دیر نہیں لگی تھی۔ دروازہ کھولنے والے کا بھی یہی حال تھا۔ چند لمحوں تک ایک عجیب سی خاموشی تھی جو دونوں کے بیچ حائل رہی تھی۔

''مومل تم ...... تم کہاں چلی گئی تھیں؟'' سہیل بھائی جیسے اپنے حواس میں واپس آگئے تھے آنسوؤں نے اس کے چہرے کو بھگونا شروع کر دیا۔

''آپ نے مجھے ڈھونڈا کیوں نہیں؟ آپ نے مجھ سے جان کیوں چھڑا لی۔ میں کیا اتنی بوجھ ہو گئی تھی آپ پر۔'' وہ جیسے چلا اٹھی تھی۔

''تمہیں اگر اپنی پسند سے شادی کرنا تھی تو تم ہم سے بات کر سکتی تھیں۔ کون سی خواہش تھی مومی! جو ہم نے تمہاری پوری نہیں کی تھی پھر کیوں اس طرح ہماری عزت مٹی میں ملا کر چلی گئیں۔''

انہوں نے اس پر دروازہ بند کیا تھا نہ اسے باہر نکالا تھا۔ وہ اس سے شکوہ کر رہے تھے۔

''میں کیا ایسی تھی کہ اپنی مرضی سے شادی کے لیے گھر سے بھاگ جاتی۔ مجھے تو کسی اور لڑکی کی غلط فہمی میں اغوا کر لیا گیا تھا اور جب انہیں پتا چلا تو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں گھر آئی تھی مگر بھابھی نے مجھے گھر سے نکال دیا۔''

مومل میں سچ بتانے کی ہمت نہیں تھی اس نے دس سال پہلے فاطمہ کا گھڑا ہوا جھوٹ بھائی کے سامنے دوہرا دیا۔ ''پھر میں اپنی دوست فاطمہ کے پاس چلی گئی کچھ عرصہ کے بعد اس نے اپنی جان پہچان کے لوگوں میں میری شادی کروا دی۔''

سہیل بھائی جیسے حیرت زدہ تھے۔

''تم یہاں آئی تھیں مگر کب؟ مجھے کسی نے نہیں بتایا۔'' انہوں نے حیرانی سے کہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھتی رہی۔ چند لمحے اسی طرح کھڑے رہنے کے بعد انہوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ ''آؤ اندر آ جاؤ۔'' ان کی آواز میں شکست خوردگی تھی۔ برستی آنکھوں کے ساتھ وہ اندر آ گئی تھی۔

باقی کے مرحلے اس سے بھی آسان ثابت ہوئے تھے۔ گھر میں کافی دیر جھگڑا ہوتا رہا تھا بھابھی اور بھائی کے درمیان اور پھر یک دم ہی سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ جب بھابھیوں کو یہ پتا چلا تھا کہ اس کا شوہر کیا کرتا ہے۔ چند لمحوں میں ان کے رویے بدل گئے تھے۔ انہوں نے اپنی غلطی کی معافی مانگ لی تھی جو مومل نے فراخ دلی سے دے دی تھی۔ اسے کبھی بھی بھائیوں یا بھابھیوں سے شکوہ نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی اس نے کبھی انہیں اپنی بربادی کا ذمہ دار سمجھا تھا۔ اسے اسفند کے علاوہ اور کوئی مجرم نظر نہیں آتا تھا۔ پھر وہ ماضی کھنگالنے کیسے بیٹھ جاتی۔ اس کے لیے تو یہ ہی بہت بڑی بات تھی کہ اس کے بھائیوں نے اسے معاف کر دیا تھا نہ صرف معاف کر دیا تھا بلکہ اس کی گھڑی ہوئی کہانی سن کر وہ شرمسار ہوئے تھے اور ایک بار پھر اس کے لیے اس گھر کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔

دس سال میں پہلی دفعہ وہ اتنا ہنسی تھی اس کا جی چاہ رہا تھا۔ وہ ساری دنیا کو بتا دے کہ وہ ایک بار پھر سے دنیا میں واپس آ گئی ہے۔ اس کی جلاوطنی کا حکم واپس لے لیا گیا تھا۔ وہ رات کی فلائٹ سے واپس فیصل آباد آ گئی تھی۔ اس نے اسفند کو اپنے بھائیوں سے ہونے والی اس ملاقات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

مومل کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دس سال کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئی ہو اس کے سینے پر جو بوجھ تھا۔ وہ ہٹ چکا تھا۔ پہلی دفعہ اسے اپنا وجود اسفند کے مقابلے میں بے دست و پا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک عجیب سی خوشی اور مسرت کا احساس اس کے اندر جاگزیں ہوا تھا۔ اسفند کو اس کے اندر آنے والی تبدیلی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ورنہ شاید وہ کچھ چونکتا ضرور۔

☆

اس دن ملازم نے موحل کو کسی عورت کے آنے کی اطلاع دی تھی اس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔اس سے کافی لوگ ملنے آتے رہتے تھے۔کچھ اسفند سے کوئی کام کروانے کے لیے اور کچھ مختلف فنکشنز کے دعوت نامے لے کر۔اس نے اس عورت کو بھی ایسا ہی کوئی ملاقاتی سمجھا تھا۔ ملازم کو اس نے اس عورت کو ڈرائینگ روم میں بٹھانے کے لیے کہا اور خود بالوں میں برش کرنے لگی۔چند منٹوں بعد وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی اور ڈرائنگ روم میں اس نے جس چہرے کو دیکھا تھا اس نے صحیح معنوں میں اس کے ہوش وحواس گم کر دیئے تھے۔وہ ربیعہ تھی وہ تقریباً دوڑتے ہوئے اس کے گلے لگی تھی اور پھر جو اس نے رونا شروع کیا تو اسے چپ کرواتے کرواتے ربیعہ بھی رونے لگی۔اچھی طرح آنسو بہا لینے کے بعد وہ اسے اوپر اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی۔اسے اپنے بیڈ روم میں بٹھانے کے بعد وہ نیچے ملازم کو چائے کے بارے میں ہدایات دینے آئی تھی۔جب وہ واپس گئی تو ربیعہ اسفند کے بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی زاشی اور اسفند کی تصویر دیکھ رہی تھی۔اسے دیکھتے ہی اس نے پوچھا۔

''زاشی ہے نا یہ؟ دیکھو میں نے پہچان لیا۔پہلے سے بھی زیادہ پیاری ہو گئی ہے۔''

موحل اس کی بات پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرائی۔

''کہاں ہے یہ؟''

''لاہور میں پڑھتی ہے۔بورڈنگ میں ہے۔'' وہ ربیعہ کے پاس بیٹھ گئی۔

''اور باقی بچے کہاں ہیں؟'' موحل نے حیرانگی سے ربیعہ کا چہرہ دیکھا۔

''ربیعہ! کیا......کیا اس کی گنجائش تھی؟''

ربیعہ جیسے شاک کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

''موحل! کیا تم اب بھی......تم کیا چیز ہو موحل؟''

''بس ربیعہ! یہ سب چھوڑو۔تم بتاؤ۔پاکستان کب آئی ہو؟'' موحل نے بات کا موضوع بدل دیا۔ربیعہ چند لمحے خاموش ہی رہی پھر ایک طویل سانس لے کر بولی۔

''دو سال ہوئے ہیں پاکستان میں شفٹ ہوئے۔اب واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' موحل تاسف سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''دو سال ہو گئے ہیں تمہیں پاکستان آئے ہوئے اور تم نے ایک بار بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی اور میں چھ سال سے ہر ماہ تمہیں خط لکھتی رہی ہوں۔ایک دو سال خط کا جواب دینے کے بعد تم نے اس تکلف کی بھی زحمت نہیں کی اور اب یہاں آنے کے بعد بھی تمہیں میری یاد نہیں آئی۔'' موحل کو صحیح معنوں میں دکھ ہوا تھا۔

''بس یار! کیا بتاؤں۔میں کس قدر مصروف ہو گئی تھی۔تمہیں پتا ہی ہے شادی اور اس کے بعد کی ذمہ داریاں پھر میں خود بھی جاب کرتی ہوں تو فرصت اور بھی کم ہی ملتی ہے۔لیکن دیکھو اب جب فرصت ملی ہے تو سب سے پہلے تمہارے پاس ہی آئی ہوں۔''

''کتنے بچے ہیں تمہارے؟''

''تین بیٹیاں ہیں۔ دو کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ جڑواں ہیں اور ایک اور ہے۔''

''کیا کر رہی ہو آج کل؟'' مومل نے ملازم کے آنے پر چائے بناتے ہوئے پوچھا۔

''جاب کر رہی ہوں ایک گورنمنٹ ہاسپٹل میں۔''

''تم اپنے بچوں کو ساتھ کیوں نہیں لائیں؟ میں انہیں دیکھ ہی لیتی۔''

''بس یار! ابھی وہ تینوں چھوٹی ہیں۔ اتنے لمبے سفر میں کیسے سنبھالتی۔'' مومل سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے ربیعہ نے کہا۔

''تم اپنے شوہر کو ساتھ لے آتیں پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔''

''انہیں کہاں سے لاتی۔ وہ تو انگلینڈ میں ہی ہیں۔ وہ ابھی کچھ سال وہیں رہیں گے۔ میں تو اس لیے پاکستان آ گئی ہوں' تا کہ بچے یہاں سیٹ ہو جائیں وہاں بڑے ہوں گے تو بعد میں یہاں ایڈجسٹ ہونے میں انہیں مشکل ہو گی۔'' مومل نے اس کی بات پر سر ہلا دیا۔

''فاطمہ سے کوئی رابطہ ہے؟'' مومل نے اس سے پوچھا۔

''ہاں' وہ بھی پاکستان آ چکی ہے۔ اس کے فادران لا کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ اسی کے شوہر کو کاروبار سنبھالنا تھا۔ اس لیے انہیں بھی واپس آنا پڑا۔ کراچی ہوتی ہے وہ۔'' ربیعہ نے تفصیل سے اسے بتایا۔

''اور اس نے بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے لگتا ہے' تم دونوں مجھ سے ملنا چاہتی ہی نہیں تھیں۔'' مومل کی زبان پر ایک بار پھر شکوہ آیا تھا۔

''نہیں۔ ایسی بات نہیں تھی۔ جب بھی ہم دونوں ملتی تھیں۔ تمہارا ذکر ضرور ہوتا تھا۔ لیکن ہم دونوں کے پاس تمہارا باقاعدہ پتا نہیں تھا۔ اس لیے ملنے کی کوشش کیا کرتے پھر مصروفیت اتنی تھی کہ ہم چاہتے ہوئے بھی تمہیں ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کر سکے۔ اب جب کچھ فرصت ہوئی تو میں نے اسفند کی موجودہ پوسٹنگ کا پتا کروایا اور تمہارے پاس آ گئی۔''

ربیعہ نے جیسے وضاحت کی' گو مومل اس کی وضاحت سے مطمئن نہیں ہوئی' لیکن اس نے موضوع بدل دیا۔

''اس کے بھی تین بچے ہیں۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔''

مومل اس سے بہت سی باتیں کرتی رہی اور انہیں باتوں کے دوران اس نے ربیعہ کو بتایا کہ وہ دوبارہ اپنے بھائیوں سے ملنے لگی ہے۔ اس اطلاع پر ربیعہ نے زیادہ خوشی یا جوش کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''مجھے زیادہ خوشی ہوتی اگر تمہارے اور اسفند کے تعلقات ٹھیک ہو گئے ہوتے۔''

اس نے ایک جملے میں جیسے بات ختم کر دی تھی۔ رات کو ربیعہ کی ملاقات اسفند سے بھی ہوئی تھی۔ چھ سال پہلے جب وہ انگلینڈ گئی تھی۔ آج کا اسفند اس وقت کے اسفند سے بالکل مختلف تھا۔ بے حد سنجیدہ' بہت کم مسکرانے والا' ہلکی آواز میں رک رک کر بات کرنے والا۔ اس کی آنکھوں کی وہ چمک مفقود تھی جو لوگوں کے دلوں کو مسحور کر لیا کرتی تھی۔ وہ تو جیسے سرتاپا پچھتاوا تھا۔

ربیعہ کو اس پر بے اختیار ترس آیا۔ لیکن بہت سے مسائل ترس کھانے سے حل نہیں ہوتے۔ وہ جان بوجھ کر اس سے زاشی کے بارے میں بات کرتی رہی اس کے چہرے پر ابھرنے والی چند مدھم مسکراہٹیں اسی ایک نام کی بدولت تھیں۔

اگلے روز وہ شام کو واپس چلی گئی تھی۔ اس نے اس بار مومل کو کوئی نصیحت' کوئی ہدایت نہیں کی تھی اور اس بات پر مومل کو کچھ حیرانگی ہوئی تھی لیکن وہ مطمئن تھی کہ ربیعہ اب پہلے کی طرح اس پر دباؤ نہیں ڈال سکتی۔

مومل اب اکثر لاہور جایا کرتی تھی۔ اپنے بھائیوں سے ملنے کے علاوہ وہ ربیعہ سے بھی ملتی رہتی تھی۔ اسفند کو بھی بہت جلد پتا چل گیا تھا کہ وہ اپنے گھر آنے جانے لگی ہے لیکن اس نے مومل سے کچھ پوچھنے یا کہنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ چند بار زاشی کو بھی اپنے ساتھ اپنے بھائیوں کے گھر لے کر گئی تھی۔ لیکن زاشی وہاں جا کر زیادہ خوش نظر نہیں آئی۔ وہ کسی کے ساتھ زیادہ مکس اپ نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے مومل کے اصرار کے باوجود وہ جانے پر ناخوش ہی رہتی تھی۔

☆

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' زاشی ویک اینڈ پر گھر آئی ہوئی تھی اور رات کے کھانے کے بعد اسفند تیار ہو کر کہیں جانے لگا تھا۔ جب مومل نے ترش لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔ اسفند نے ٹی وی دیکھتی ہوئی زاشی کی طرف دیکھا۔

''مجھے کام ہے۔'' کچھ ناگواری سے اس نے مومل کو جواب دیا تھا۔

''کیا کام ہے؟۔''

''یہ تمہیں جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ کیوں نہیں کہتے۔ تم اسی عورت کے پاس جا رہے ہو۔''

اس بار مومل کی آواز بہت بلند تھی۔ زاشی ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اسفند نے زاشی کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں اس سے کہا۔

''اس طرح تماشا کھڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی کے پاس نہیں جا رہا۔ زاشی کے سامنے اس طرح کی باتیں مت کرو۔''

''کیوں نہ کروں۔ اسے پتا چلنا چاہیے کہ اس کا باپ کیا ہے اور اس کے کرتوت کیا ہیں۔''

مومل کی آواز اور تیز ہو گئی تھی۔ اس بار اسفند بھی بھڑک اٹھا۔

''تم اپنا منہ بند کرو۔ میں تم سے کسی قسم کی بکواس سننا نہیں چاہتا۔''

''کیا چاہتی ہو تم؟ بتاؤ کیا چاہتی ہو؟ زندگی کو عذاب تو پہلے ہی بنا دیا ہے' اب باقی کیا رہ گیا ہے جسے بگاڑنا چاہتی ہو؟۔''

''میں نے نہیں تم نے عذاب بنایا ہے۔ اپنی نہیں میری زندگی کو۔ تمہیں کیا پریشانی ہے۔ تمہاری عیاشیاں تو اسی طرح جاری ہیں۔ تمہیں کس چیز کی کمی ہے۔''

''زاشی! اٹھو۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔''

اسفند نے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے زاشی سے کہا جو حیرانی سے اس جھگڑے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر دروازے کی طرف جانے لگی۔ موبل نے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔

''زاشی یہاں سے نہیں جائے گی۔ جو کچھ ہوگا' اس کے سامنے ہی ہوگا۔ اپنی اصلیت کیوں چھپانا چاہتے ہو اس سے۔ اپنا بھیانک چہرہ کیوں نہیں دکھانا چاہتے اسے۔'' موبل کے لہجے میں صرف زہر تھا۔

''میں تم پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا ہوں۔ بہتر ہے' تم خاموش ہو جاؤ۔''

''نہیں' میں خاموش نہیں رہوں گی۔ تمہیں جو کرنا ہے کرلو۔ مارنا چاہتے ہو مارو اور میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔ گھٹیا آدمی۔'' موبل نے بہت زور سے چلا کر کہا تھا۔

''ماما پلیز آپ چلایا مت کریں۔ آپ پاپا سے آرام سے بات کر سکتی ہیں۔''

اس سے پہلے کہ اسفند اس کی بات کا کوئی جواب دیتا۔ زاشی نے یک دم بڑی ناگواری سے اس سے کہا تھا۔

''میں چلا رہی ہوں اور تمہارا باپ کیا کر رہا ہے۔'' اس کی بات پر موبل کا خون اور کھول اٹھا تھا۔

''پاپا ٹھیک کہتے ہیں۔ جھگڑا ہمیشہ آپ شروع کرتی ہیں آپ پاپا سے بدتمیزی کرتی ہیں۔ آپ کو تو ہمیشہ......''

''زاشی خاموش ہو جاؤ۔ میں تمہاری بکواس سننا نہیں چاہتا۔ تم جاؤ یہاں سے۔'' اسفند نے اس کی بات کاٹ دی۔ زاشی کچھ روہانسی ہو کر کمرے سے نکل گئی اس بار موبل نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

''تم میری بیٹی کے دل میں میرے خلاف زہر بھر رہے ہو۔''

''یہ زہر تم خود اپنے رویے سے اس کے دل میں بھر رہی ہو۔ وہ اب چھوٹی سی بچی نہیں ہے کہ کچھ سمجھ ہی نہ سکے۔ تم ابھی بھی اس کے دل میں اپنی عزت برقرار رکھنا چاہتی ہو تو اپنے رویے کو بدلو۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر اور تمہاری بیٹی پر' اور ایسی عزت پر میں اب اس گھر میں رہنا نہیں چاہتی۔ میں تمہیں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ تم جیسے غلیظ انسان کے ساتھ دس سال گزار لیے۔ کافی ہیں اب تم اس گھر میں اس عورت کو لے آؤ جس کے لیے تم پاگل ہو رہے ہو۔ تمہاری بیٹی کو بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ اس کا باپ کتنا شریف انسان ہے۔''

وہ بڑے صبر اور سکون سے اس کی باتیں سنتا رہا یوں جیسے وہ یہ سب کسی اور کے بارے میں کہہ رہی تھی۔

''جانا چاہتی ہو تو ضرور جاؤ۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے بھائی تمہیں کتنی دیر اپنے پاس رکھتے ہیں' دس سال بعد ملے ہیں۔ کم از کم دس دن تو رکھنا ہی چاہیے۔''

موبل اس کی بات سن کر چیخ اٹھی۔

''میرے بھائیوں کے بارے میں ایک لفظ مت کہو' وہ تم سے ہزار درجے بہتر ہیں۔''

''مانتا ہوں' وہ مجھ سے ہزار درجے بہتر ہیں۔کم از کم وہ یہ تو فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا بُرا۔تم سے جان چھڑانا انہیں بہتر لگا۔ انہوں نے جان چھڑا لی۔تم سے تعلق جوڑنا انہیں فائدہ مند لگا۔انہوں نے جوڑ لیا۔تمہارے عظیم بھائی۔''

وہ اب باہر جانے کا ارادہ ترک کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔وہ سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی اسے گھورتی رہی۔

''مجھے طلاق چاہیے ابھی اور اسی وقت۔'' اسفند کے سکون میں کوئی کمی نہیں آئی۔

''دے دوں گا۔تمہارا یہ شوق بھی پورا کر دوں گا لیکن ابھی نہیں' پہلے مجھے اپنی بیٹی کی کہیں شادی کر لینے دو۔اس کے بعد میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔بس دس سال اور انتظار کر لو۔''

''دس سال؟ میں تو اس گھر میں ایک منٹ اور نہیں رہ سکتی۔نہیں اسفند حسن! تمہیں میں اب برداشت نہیں کر سکتی۔تم طلاق نہ دو۔میں خود تم سے طلاق لے لوں گی۔''

وہ عجیب سی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔''میں زاشی کو تمہیں نہیں دوں گا۔''

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔تمہیں یہ خوش فہمی کیسے ہوئی کہ میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔مجھے زاشی کا عذاب نہیں چاہیے۔اسے اپنے پاس رکھو اور جو چاہے اس کے بارے میں فیصلہ کرو۔میں دوبارہ پلٹ کر اس کے بارے میں پوچھنے تک نہیں آؤں گی۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

اگلی صبح آٹھ بجے اس نے اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا تھا۔اسفند آفس کے لیے تیار ہوتے ہوئے اس کی تیاریوں کو دیکھ رہا تھا۔لیکن اس نے موحل سے کچھ کہا نہیں بلکہ خاموشی سے نیچے ناشتہ کرنے چلا گیا۔وہ جس وقت اپنا بیگ اٹھا کر نیچے آئی۔اس وقت زاشی اور اسفند ناشتہ کر رہے تھے۔

''ماما! آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' زاشی اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔اس نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں جہنم سے نکل کر جنت میں جا رہی ہوں۔تمہیں میں بری لگتی تھی اس لیے اب تمہارا باپ تمہارے لیے نئی ماں لائے گا جو تمہارے باپ سے کبھی بدتمیزی نہیں کرے گی نہ اس پر کبھی چلائے گی۔'' وہ زاشی کو حیران پریشان چھوڑ کر باہر نکل آئی۔

گیٹ عذرا بھابھی نے کھولا تھا اور اسے دیکھ کر حیرانی اور مسرت کا اظہار کیا۔

''بھئی موحل! یہ بیگ کس لیے لائی ہو؟'' بھابھی نے اس کے بیگ کو دیکھتے ہی کہا تھا۔وہ جو یہ تہیہ کر کے آئی تھی کہ وہ بھابھی کو جاتے ہی سب کچھ بتا دے گی اور ان سے کہہ دے گی کہ اس نے گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ان کے سوال پر بے اختیار جھجک گئی۔

''بھابھی! اس بار میں رہنے آئی ہوں۔میرا دل چاہتا تھا۔آپ کے پاس کچھ دن گزارنے کو۔اس لیے میں آ گئی۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''تو زاشی کو بھی لے آتیں۔''

''نہیں۔ اسفند کو اچھا نہیں لگتا زاشی کا کہیں رہنا۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے بورڈنگ میں ہی رکھا جائے۔ ویسے بھی میں تو آرام کرنے آئی ہوں۔ زاشی کے ساتھ تو پھر بہت سے کام ہوتے۔''

اس نے جھوٹ پر جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ عذرا بھابھی نے کوئی اور سوال نہیں کیا مومل نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ اسے دیکھ کر سب ہی نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بھائیوں نے کئی بار اسفند سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن مومل ہر بار یہ کہہ کر ٹال دیتی کہ اسفند کو اس کا اپنے بھائیوں سے ملنا پسند نہیں ہے کیونکہ اسے لگتا ہے کہ اس کے بھائیوں نے مشکل وقت میں اس کا ساتھ نہیں دیا۔

سہیل بھائی نے کئی بار اس سے کہا کہ وہ اسفند سے مل کر یا اس سے فون پر بات کر کے اپنی پوزیشن کی وضاحت کر دیتے ہیں لیکن مومل نے ہمیشہ انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ اسفند بہت سخت ہے شاید وہ یہ بھی پسند نہ کرے اور مومل کے لاہور جانے پر بھی پابندی لگا دے۔ اس کے بھائی مجبوراً اس کی بات مان گئے تھے۔

مومل کو لاہور آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اور یہ پورا ہفتہ کوئی نہ کوئی رشتہ دار اس سے ملنے آتا رہا۔ وہ دماغ کو کتنا بھی جھٹلاتی' جانتی تھی میل ملاپ کے اس سلسلے کی وجہ ایس پی اسفند حسن تھا۔ مومل منیر نہیں۔ اسے یاد تھا وہ ان ہی لوگوں کے گھروں میں دس سال پہلے پناہ لینے کے لیے باری باری گئی تھی اور ان میں سے ہر ایک نے مقدور بھر اس کی بے عزتی کی تھی اور آج...... اسے یہ سوچ لرزا دیتی تھی کہ جب وہ ان سب کو بتائے گی کہ وہ اسفند حسن کو چھوڑ چکی ہے یا جب وہ اسے طلاق نامہ بھجوائے گا تو کیا ہوگا؟ کیا پچھلے رویے پھر سے واپس آ جائیں گے۔ وہ سوچتی اور اس کا دم گھٹنے لگتا۔

اس دن وہ گھر چھوڑ دینے کے بعد پہلی بار ربیعہ کے ہاں گئی تھی۔ چھٹی کا دن تھا اور ربیعہ چھوٹے موٹے کاموں میں مصروف تھی۔ مومل بھی اس کے ساتھ کام نبٹاتی رہی پھر باتوں ہی باتوں میں اس نے ربیعہ کو بتا دیا کہ وہ اسفند کا گھر چھوڑ آئی ہے اور وہ اسے طلاق دینے کا بھی کہہ چکی ہے۔ ربیعہ کو اس کی بات پر جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''تمہارے بھائیوں کو پتا ہے اس بارے میں؟'' اس نے مومل سے پوچھا۔

''نہیں۔ مگر میں انہیں جلد ہی بتا دوں گی۔''

''پھر کیا وہ تمہیں پاس رکھ لیں گے؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ وہ مجھے ضرور رکھیں گے اور اگر نہ بھی رکھیں تو بھی مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ میں اپنے لیے خود ہی کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔''

''دس سال اس کے ساتھ رہنے کے بعد آخر اب ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ تم نے اس طرح اپنا گھر اور بیٹی چھوڑ دی؟'' ربیعہ کو جیسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

''بس میں اب وہاں رہنا نہیں چاہتی تھی۔ ربیعہ! ان دونوں کو میری ضرورت نہیں ہے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں پھر میں وہاں کیوں رہتی۔ وہ شخص۔ وہ شخص سمجھتا ہے۔ اس نے اپنے گناہ کی تلافی کر دی ہے۔ اب میرا اس پر کوئی قرض ہی نہیں رہا۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ پتا

نہیں وہ کن کن عورتوں کے پاس جاتا ہے۔ مجھے اس کے وجود سے گھن آتی ہے۔ اسے اپنی کسی بھی حرکت پر شرمندگی نہیں۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے سب کچھ کرتا ہے۔ میں ایسے شخص کے ساتھ کیسے رہوں۔''

''مومل! تم دس سال پہلے بھی احمق تھیں۔ آج بھی بے وقوف ہو پہلے بھی ناقابل اصلاح تھیں آج بھی ہو۔ اس شخص نے تمہارے اور زاشی کے لیے کیا نہیں کیا پھر بھی......''

''ربیعہ! میرے اندر ایک ایسا الاؤ ہے جس میں اس کی تمام مہربانیاں اپنا کوئی نقش چھوڑے بغیر راکھ ہو جاتی ہیں۔ اس نے جو میرے ساتھ کیا تھا۔ میں کبھی وہ سب بھول سکتی ہوں نہ اسے معاف کر سکتی ہوں۔''

مومل نے ربیعہ کی بات کاٹ دی تھی۔

''اس کو معاف نہیں کر سکتیں تو اپنے آپ کو کیسے معاف کر دیا۔ تم اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کی خود ذمہ دار تھیں۔ وہ سب کچھ تمہاری غلطی سے ہوا تھا۔ تمہاری جلد بازی اور بے وقوفی سے ہوا تھا۔ تمہاری زندگی اگر برباد ہوئی تھی تو اسفند کی بھی ہوئی ہے۔ دس سال اگر تم نے جہنم میں گزارے ہیں تو اس نے بھی گزارے ہیں۔ کبھی تم نے اس کے چہرے کو دیکھا ہے۔ یہ وہ چہرہ تھا جس نے پہلی بار دیکھنے پر مجھے اور فاطمہ کو مبہوت کر دیا تھا اور اب! اب وہ کیا ہے؟ اگر اس کے عورتوں کے ساتھ تعلقات ہیں اور تمہارے بقول وہ عیش کر رہا ہے تو پھر تو اس کے چہرے پر اطمینان اور سکون ہونا چاہیے۔ اس کی آنکھوں میں خوشی اور غرور ہونا چاہیے لیکن وہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں اتنی بے چینی' اتنا اضطراب نہیں دیکھا جتنا اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں خوف نہیں دیکھا اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ وہ ہر وقت اسی عذاب میں رہتا ہوگا کہ کہیں تم زاشی کو یا کسی اور کو وہ سب نہ بتا دو۔ کہیں تمہاری کوئی بات زاشی کے دل میں اس کے لیے نفرت پیدا نہ کر دے۔ یہاں کتنے مرد ایسے ہوتے ہیں۔ ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے اور تم مومل! تم وہ خوش قسمت ہو جسے خدا نے ایک بار پھر سے زمین پر کھڑا ہونے کا موقع دیا لیکن پتا نہیں کیوں تمہیں پاتال اس قدر پسند ہے پتا نہیں کیوں تمہیں......''

مومل ربیعہ کی باتیں سن کر یک دم غصے میں آ گئی۔

''بس کرو ربیعہ! بس کرو۔ وعظ اور نصیحت کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ تمہارے لیے یہ سب کچھ کہنا اس لیے آسان ہے کیونکہ یہ سب تمہارے ساتھ نہیں ہوا۔ لیکن میں اس شخص کو معاف نہیں کر سکتی۔ میں اسے دیوتا سمجھ کر عبادت کروں۔ اس کی عظمت کے گن گاؤں صرف اسے لیے کیونکہ اس نے مجھ سے شادی کر لی۔ میری بچی کو اپنا نام دے دیا۔ لیکن میں یہ سب کیوں کروں اگر اس نے مجھ سے شادی کی تو صرف اس لیے کیونکہ مجھے اغوا اس نے کروایا تھا اگر اس نے میری بچی کو اپنا نام دیا تو صرف اس لیے کیونکہ یہ اسی کی بچی تھی۔ کسی دوسرے کی نہیں۔ اگر میرے ساتھ یہ سب کسی اور نے کیا ہوتا اور پھر اسفند مجھ سے شادی کرتا تو میں بھی اسے عظیم سمجھتی لیکن اب نہیں۔ تم چاہتی ہو۔ میں روپیہ اور آسائشیں دیکھ کر سب کچھ بھول جاتی۔ کیا یہ چیزیں کسی عورت کی عزت کا متبادل ہو سکتی ہیں کیا ان چیزوں کے بدلے ایسے جرم معاف کر دینے چاہیں۔ نہیں کم از کم میں تو ایسا نہیں کر سکتی۔ ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ زندگی ان چیزوں کے بغیر بھی گزاری جا سکتی ہے۔'' ربیعہ یک دم اس کی بات پر بھڑک اٹھی تھی۔

''ان چیزوں کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ یہ تم مجھ سے پوچھو۔ فاطمہ سے پوچھو۔ ان سے پوچھو جن کے پاس یہ نہیں ہیں۔ میں تمہیں اپنے اور فاطمہ کے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی لیکن اب یہ ضروری ہو گیا ہے۔ جانتی ہو میں پاکستان کس لیے آئی ہوں اس لیے نہیں کہ میری بچیاں آرام سے یہاں ایڈجسٹ ہو جائیں بلکہ اپنے شوہر سے بھاگ کر آئی ہوں۔''

مومل کو ربیعہ کی بات پر جیسے شاک لگا تھا۔

''شادی سے پہلے ہی کسی انڈین عورت سے اس کے تعلقات تھے اور یہ تعلقات شادی کے بعد بھی جاری رہے۔ مجھے جب اس عورت کا پتا چلا تب میری جڑواں بیٹیاں دو ماہ کی تھیں۔ میرے پاس اسے چھوڑنے کا کوئی راستہ نہیں تھا نہ ہی میں اسے چھوڑنا چاہتی تھی۔ اس شخص نے کبھی مجھے گھر کے اخراجات کے لیے ایک روپیہ نہیں دیا بلکہ مجھے جو تنخواہ ملتی تھی' وہ بھی لے جاتا تھا کیونکہ اپنی تنخواہ سے اس کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے اور میں مجبور تھی اگر اسے روپے نہ دیتی تو وہ ہنگامہ برپا کر دیتا۔ مجھ پر تشدد کرتا پھر کئی دن گھر نہ آتا۔ اور میں اکیلی نہیں رہ سکتی تھی۔ تم روپے کو اس لیے اہمیت نہیں دیتیں کیونکہ تمہاری ہر ضرورت بنا مانگے پوری ہو جاتی ہے۔ مجھ سے روپے کی قدر پوچھو میں انگلینڈ میں جاب کرتی تھی لیکن میرے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے پورے روپے نہیں ہوتے تھے۔ مجھے اپنے والدین سے روپے لینے پڑتے اور جو الاؤنس میری بیٹیوں کو گورنمنٹ کی طرف سے ملتا تھا۔ اس سے میں گھر چلاتی تھی۔ ساتھ اوور ٹائم کرتی تھی۔ وہاں سے اس لیے بھاگ آئی ہوں کہ اب بیٹیاں بڑی ہو رہی تھیں۔ ان کی ضرورتیں بڑھ رہی تھیں اور وہ شخص میری جان کو عذاب کی طرح چمٹا ہوا تھا۔ یہاں کم از کم میں اتنا تو کما لیتی ہوں کہ اپنی بیٹیوں کی ضرورتیں پوری کر سکوں۔ ان کے سامنے وہ تماشے تو نہیں ہوتے جو انگلینڈ میں وہ شخص کرتا تھا لیکن جاب کرنے کی وجہ سے میں سارا دن اپنی بیٹیوں کی شکل دیکھنے کو ترستی رہتی ہوں حالانکہ ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے۔ تین اور چار سال لیکن میں کیا کروں اگر کام نہ کروں تو ان کے سکول کی فیس کہاں سے دوں گی۔ گھر کا خرچ کہاں سے چلاؤں گی۔ کل کو ان کی شادیاں کہاں سے کروں گی۔ اپنی ہزار ضرورتوں اور خواہشوں کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے کیونکہ روپیہ نہیں ہے۔ ذرا خود کو میرے ساتھ کمپیئر کرو اور دیکھو کون سی چیز ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ جس سکول میں زاشی پڑھتی ہے۔ میں وہاں اپنی بچیوں کو بھیجنے کا صرف خواب ہی دیکھ سکتی ہوں۔ تم نے کبھی سوچا گھر کے خرچ کے لیے روپے کہاں سے آئیں گے؟ بل کون دے گا۔ زاشی کے سکول کی فیس کے لیے کہاں سے روپے لوں گی۔ ملازموں کو تنخواہ کون دے گا۔ تمہارا خرچ کہاں سے پورا ہو گا۔ نہیں تمہیں کبھی یہ سب سوچنا نہیں پڑا۔ اس لیے کہ یہ سب ذمہ داریاں اسفند نے اپنے کندھوں پر اٹھائی ہوئی ہیں۔

ٹھیک ہے اب وہ جاب کرتا ہے یہ سب افورڈ کر سکتا ہے لیکن مومل! اس نے تب بھی تمہیں کوئی تکلیف نہیں دی جب وہ ادھر اُدھر چھوٹی موٹی ملازمتیں کر کے گھر کا خرچ چلاتا تھا حالانکہ اس نے زندگی میں کبھی اس طرح تھوڑے بہت روپے کمانے کے لیے دھکے نہیں کھائے تھے پھر بھی وہ صرف اس لیے کام کرتا رہا کیونکہ اس نے تمہیں اور زاشی کو سپورٹ کرنا تھا۔ جس طرح وہ زاشی کے ناز نخرے اٹھاتا ہے۔ اس طرح میرے شوہر نے کبھی نہیں کیا۔ اس شخص نے تو کبھی انہیں گود میں اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ پھر بھی میں اس آدمی سے طلاق لینا نہیں چاہتی کچھ نہ ملے کم از کم نام تو رہے کل کو بیٹیاں بیاہتے ہوئے یہ کہنا نہ پڑے کہ وہ کسی مطلقہ کی بیٹیاں ہیں۔

جانتی ہو فاطمہ کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اس کے شوہر نے یہاں پاکستان میں بھی کسی کے ساتھ شادی کی ہوئی تھی اور اسے اس بات کا تب پتا چلا جب اپنے سسر کی وفات کی وجہ سے انہیں پاکستان شفٹ ہونا پڑا۔ وہ شخص اسے کس طرح تنگ کرتا ہے۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ اس نے شوہر سے خلع کے لیے درخواست دائر کی تو وہ اس کے بچے چھین کر لندن اپنی بہن کے پاس چھوڑ آیا۔ چھ ماہ وہ بچوں کے لیے روتی پیٹتی رہی پھر مجبوراً اس نے خلع کا مقدمہ واپس لے لیا اور اب وہ شوہر کے ساتھ ہی ہے۔ وہ شخص نہ تو اس پہلی بیوی کو طلاق دینے پر تیار ہے اور نہ ہی فاطمہ کو چھوڑ رہا ہے اور فاطمہ اپنے بچوں کی وجہ سے مجبور ہے۔ وہ شخص اسے جاب کرنے بھی نہیں دیتا۔ لیکن مومل! تم دیکھو پھر بھی وہ صرف بچوں کی وجہ سے اپنی خوشی کی قربانی دے رہی ہے جیسے میں دے رہی ہوں۔ تمہیں ہم نے اسی لیے کچھ نہیں بتایا تھا کہ تم پریشان ہو گی۔ اسی لیے ہم نے تم سے ملنے کی کوشش نہیں کی مومل! یہ زندگی اسی طرح ہے یہاں رہنا بہت مشکل ہے مگر پھر بھی رہنا پڑتا ہے قربانی دینی پڑتی ہے۔ میں اور فاطمہ اپنی زندگی نہیں سنوار سکتے کیونکہ یہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے لیکن تم تو خوش رہ سکتی ہو۔ تمہارے گھر کی خوشی تو تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے پھر تم اسے کیوں برباد کرنے پر تلی ہو۔ تمہارے بھائیوں اور رشتہ داروں نے تمہیں اس لیے قبول کر لیا کہ تم ایک ایس پی کی بیوی ہو اگر ایک معمولی مزدور کی بیوی ہوتیں تو وہ کبھی تمہاری سنائی ہوئی کہانی پر یقین کرتے نہ تمہارے ساتھ میل جول رکھتے۔ جس شخص کے ساتھ تم دس سال سے رہ رہی ہو اسے معاف کر دو وہ اپنے اس گناہ کی سزا کاٹ چکا ہے۔ پچھلے دس سالوں نے اسے کیا دیا ہے۔ تم نے زندگی میں کسی سے محبت نہیں کی۔ تمہیں کھونے کی اذیت اٹھانا نہیں پڑی۔ اس نے محبت بھی کی تھی اور اسے کھویا بھی۔ کیا اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کوئی ہو سکتی ہے کہ جس سے محبت کی جائے۔ اسے اپنے ہاتھوں سے کھو دیا جائے لیکن اس شخص نے ایسا کیا۔ مومل! دس سال تم نے جلتے ہوئے گزارے ہیں۔ اب اس آگ کو بجھ جانے دو' یہ دوسروں کو جتنا جلائے گی جلائے گی لیکن تمہارے وجود کو تو یہ راکھ کر دے گی۔ اب کوئی غلطی مت کرنا اب شاید پہلے کی طرح تمہیں کوئی موقع نہ ملے۔"

مومل نے پہلی بار ربیعہ کو روتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ ساکت تھی کسی مجسمے کی طرح۔ وہ سوچتی تھی فاطمہ اور ربیعہ بہت خوش ہیں بہت اچھی زندگی گزار رہی ہیں مگر وہ تو......

ربیعہ کے گالوں پر بہنے والے آنسو مومل کے وجود کو مضمحل کر رہے تھے۔ اس کے اعصاب جیسے شل سے ہوتے جا رہے تھے۔ ایک عجیب سی تھکن تھی جو اس کے وجود کا گھیراؤ کر رہی تھی۔ وہ ربیعہ کے گھر سے اسی عالم میں کچھ کہے بغیر آئی تھی۔ ربیعہ نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ گھر آ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اس نے بھابھی سے کہہ دیا تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں' وہ سونا چاہتی ہے اس لیے اسے کھانے کے لیے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ کمرے لاک کر کے وہ جا کر بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

ربیعہ نے ٹھیک کہا تھا۔ اسفند نے اسے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔ اس نے اسے اور زاشی کو ہمیشہ سب سے اچھی چیز ہی دینے کی کوشش کی تھی۔ اس نے پچھلے دس سال میں ہمیشہ وہ کام کیا تھا جو اسفند کو ناپسند تھا۔ جس سے وہ روکتا تھا۔ بہت دفعہ اس نے اپنی زبان کے نشتر چلائے تھے ہر بار اسفند نے بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ ہر بار وہی خاموش رہتا تھا۔ اسے یاد آیا تھا ایک بار اس نے اسفند سے لڑتے ہوئے زاشی کے سامنے اسے ناجائز اولاد کہا تھا اور بعد میں اس نے کس طرح مومل کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس سے اپنے کیے کی معافی مانگی تھی اور اس سے کہا تھا

کہ وہ زاشی کے سامنے دوبارہ کبھی ایسی بات نہ کہے۔ کوئی چیز اس کے گالوں کو بھگونے لگی تھی۔

وہ جانتی تھی۔ اسفند نے اچھی تعلیم کے لیے نہیں اس کے طعنوں اس کی باتوں سے بچانے کے لیے زاشی کو بورڈنگ داخل کروادیا تھا اور پھر کئی دنوں تک وہ گم صم رہا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اسفند زاشی کے بغیر نہیں رہ سکتا نہ وہ باپ کے بغیر رہ سکتی تھی پھر بھی اس نے اسفند کو زاشی کو بورڈنگ میں داخل کروانے سے منع نہیں کیا تھا۔ اسے جب غصہ آتا تھا وہ جو دل میں آتا اسفند اور زاشی کو کہہ دیتی اس نے کبھی پروا نہیں کی کہ زاشی اس کی باتوں سے کیا سمجھ رہی ہوگی۔ اس کے سامنے زاشی کا چہرہ آ گیا تھا۔ اسے کبھی خبر نہیں ہوتی تھی کہ زاشی کے پاس کس چیز کی کمی ہے یا اسے کس چیز کی ضرورت ہے۔

یہ سب کچھ اسفند ہی دیکھتا تھا۔ وہی زاشی کے لیے شاپنگ کیا کرتا تھا۔ وہی اس کی ضروریات کا خیال رکھتا تھا اور وہ...... وہ کیا کرتی تھی ہاں وہ کبھی کبھار اسے ہوم ورک کروایا کرتی تھی لیکن صرف ہوم ورک کروادینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ کیا اولاد کو ماں سے صرف اسی ایک چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کچھ ہوا اس میں زاشی کا قصور نہیں تھا پھر میں نے اسے کیوں......

آج وہ پہلی بار اپنا محاسبہ کر رہی تھی اور اس کا جی چاہ رہا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ وہ کیسی ماں تھی۔ کیسی بیوی تھی جس نے دس سال سے اپنی بیٹی اور شوہر کو سزا دے رکھی تھی۔ اسے اسفند سے نفرت تھی تو پھر اسے یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اس کی دی ہوئی چیزوں کا فائدہ اٹھائے۔ اپنے آرام کے لیے اس کا روپیہ استعمال کرے۔ اس کے گھر میں رہے اس کا کھائے اس کا پہنے اور پھر بھی نفرت کا ڈھول بجاتی رہے۔ ربیعہ نے اس سے کہا تھا۔

''تم اسفند کے گناہ کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ اللہ کو فیصلہ کرنے دو اس کی سزا کا۔ تم خود اپنی اور اس کی زندگی کو عذاب مت بناؤ۔''

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی پھر گھٹنوں میں منہ چھپائے وہ بلند آواز سے رونے لگی۔ آنسو کمال کی چیز ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں بہت شفاف نظر آتے ہیں حالانکہ پتا نہیں کتنا میل، کتنا کھوٹ، کتنا پچھتاوا یہ اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہے ہوتے ہیں۔

☆

''چائے لگادو۔ میں تھوڑی دیر میں پیوں گا۔''

وہ ملازم کو ہدایات دیتے ہوئے اوپر کمرے میں آ گیا۔ دروازہ کھولتے ہی اس نے لائٹ آن کی اور پھر وہ جیسے ساکت ہو گیا تھا۔ صوفہ کے ایک کونے میں وہ پاؤں اوپر کیے' بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹے' سر گھٹنوں میں چھپائے بیٹھی تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ آہٹ کی آواز پر بھی اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اندر آ گیا۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس نے اپنے جوتے اتارنے شروع کر دیئے۔

موئل نے سر اٹھایا تھا اور اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ دس سال پہلے اور آج کے اسفند میں واقعی ہی زمین اور آسمان کا فرق تھا۔ اس کی سرخ و سفید رنگت سنولا چکی تھی۔ وہ مسکراہٹ جو ہر وقت اس کے لبوں پر رقصاں رہتی تھی۔ اب کہیں بھی اس کا وجود نہیں تھا۔ اس کے ماتھے پر کئی لکیروں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ کنپٹیوں پر جا بجا سفید بال نظر آ رہے تھے۔ بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ وہ جوتے کے تسمے کھول رہا تھا۔ موئل اس پر نظریں جمائے رہی۔ اسفند کو شاید اچانک ہی ان نظروں کا احساس ہوا تھا۔ اس نے یک دم سر اٹھایا۔ موئل کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے اضطراب سے دیکھتا رہا پھر دوبارہ جوتے اتارنے لگا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ وہ جوتے اتار کر کھڑا ہو گیا اور بیلٹ اتارنے لگا پھر اس نے رسٹ واچ اتار کر بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

ایک بار پھر اس نے موئل کو دیکھا تھا۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ مسلسل اسے دیکھ رہی ہے اس نے ایک بار پھر موئل کے چہرے سے نظر ہٹالی اس نے اسفند کے چہرے پر بے چینی کے آثار دیکھے۔ وہ کھڑا ہو کر سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔ وہ پانی کا دوسرا گھونٹ پی رہا تھا جب اس نے موئل کی آواز سنی۔

''اسفند حسن! میں نے تمہیں تمہارے گناہ کے لیے معاف کیا اور میں خدا سے دعا کروں گی کہ وہ...... وہ بھی تمہیں معاف کر دے۔''

گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ دس سال پہلے ضمیر نے جو خنجر اس کے سینے میں گاڑ دیا تھا۔ دس سال بعد دو جملوں نے اس خنجر کو نکال دیا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اپنی زندگی کے سب سے مشکل لفظ دوہرا رہی تھی۔ لیکن خنجر اس کے سینے میں بہت گہرا گھاؤ چھوڑ گیا تھا جسے مندمل ہونے میں بہت وقت لگنا تھا اور جس کا نشان تو ساری عمر ہی رہنا تھا۔ وہ اب آنکھیں کھولے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو پونچھ رہی تھی۔ وہ اس کے قریب چلا آیا۔ صوفہ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے موئل کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''میں تمہارا گناہ گار تھا۔ ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ کوئی چیز اس پچھتاوے کو ختم نہیں کر سکتی جس کے ساتھ مجھے ہمیشہ رہنا ہے پھر بھی موئل! پھر بھی دعا کرو کہ یہ سب میری بیٹی کے ساتھ کبھی نہ ہو۔ میری زاشی کو کبھی کچھ نہ ہو۔''

موئل نے سینتیس سالہ اس مرد کو اپنے سامنے سر جھکائے ہاتھ جوڑے بچوں کی طرح بلکتے ہوئے دیکھا۔ اسے یاد آیا تھا۔ دس سال پہلے اس رات اس نے کہا تھا۔

''لیکن میں اپنی غلطی پر کبھی شرمندہ ہوں گا نہ تمہارے سامنے ہاتھ جوڑوں گا۔''

اور اب...... اب وہ گڑ گڑا رہا تھا۔ لرزتے ہوئے ہونٹوں کو بھینچتے ہوئے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس نے اسفند کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا تھا۔

''کوئی چیز اس اذیت کو کم نہیں کر سکتی۔ اس ذلت کو مٹا نہیں سکتی جو تم نے دس سال پہلے میرے ماتھے پر لگا دی لیکن میں...... میں سب کچھ بھول کر ایک بار پھر سے اپنی زندگی شروع کرنا چاہتی ہوں۔ ایک بار پھر سے دیکھنا چاہتی ہوں کہ دنیا میں میرے لیے کیا ہے۔ ایک بار پھر سے اپنی مٹھی میں خواہشوں کی کچھ تتلیاں پکڑنا چاہتی ہوں اور پھر شاید...... شاید میں تمہارے اور زاشی کے حوالے سے کوئی خواب دیکھنے لگوں۔''

دس سال میں پہلی دفعہ اس نے جو سوچا تھا۔ وہ کہا نہیں تھا۔ وہ بس خاموش رہی تھی۔ کمرے میں پھیلی ہوئی روشنی کھڑکی سے نظر آنے والی تاریکی کو روشن کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور تاریکی میں سے بہت کچھ نظر آنے لگا تھا۔ جو دھندلا تھا اسے تو ہمیشہ دھندلا ہی رہنا تھا۔